ماہنامہ

اِنذار

مدیر
ابویحییٰ

جنوری 2018ء

اللہ سے محبت کیجیے
وہ تو آپ سے محبت کرتا ہی ہے

www.inzaar.org

ماہنامہ

اِنذار

جنوری 2018ء ربیع الثانی/جمادی الاول1439ھ

جلد 6 شمارہ 1

فی شمارہ ــــ 25 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 500 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 400 روپے
(زرِتعاون بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ)
بیرون ملک 2500 روپے
(زرِتعاون بذریعہ پوسٹل بیئرر آرڈر یا ڈرافٹ)
نارتھ امریکہ: فی شمارہ 2 ڈالر
سالانہ 24 ڈالر

ابویحییٰ کے قلم سے

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201, 0345-8206011
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.org

سرما کی رت

موسم نے کروٹ بدلی۔ سرد ہوا دہکتے سورج کو للکارنے لگی۔ سورج نے عافیت اسی میں جانی کہ ہر شام وقت سے پہلے آسمان چھوڑ دے اور ہر صبح تاخیر سے نمودار ہو۔ یخ بستہ ہوا کے جھونکوں نے زمین سے آسمان تک ہر شے کو ٹھنڈا کرنا شروع کردیا۔ گرمی رخصت ہوگئی اور دھوپ کی تمازت سے ستائے ہوئے لوگوں نے سکون کا سانس لیا۔

سرما کی اس رت نے گرمی اور پسینے ہی سے نجات نہیں دی بلکہ اور پہلوؤں سے بھی جسم و جاں کو سکون بخشا۔ پنکھے اور اے سی کے شور کے ساتھ تاریکیوں کے اس عذاب سے بھی جان چھوٹی جو لوڈ شیڈنگ کی شکل میں برسوں سے اہل پاکستان کا مقدر ہے۔

سرما اپنے ساتھ ہر سال اپنی اور کئی سوغاتیں بھی لاتا ہے؛ پرسکون راتیں، شفاف فضا میں چمکتے تارے اور چٹکتی چاندنی، ڈوبتی شام میں میلوں تک پھیلی ہوئی براق لالی، خاموش فضا اور پرسکون ماحول۔ ان سب کے ساتھ سرما اپنی فصلیں، اپنے پھل، اپنی سبزیاں اور خشک میووں جیسے قیمتی تحائف بھی لاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان تحفوں کے جواب میں ہم سرما کے مالک کو کیا پیش کرتے ہیں؟ اگر زندگی سرما کی رت میں بھی اسی غفلت، معصیت، بے خوفی، بے رغبتی اور نافرمانی کا شکار رہی جو موسم گرما میں ہمارا شعار تھا تو...... اگر سردیوں کا موسم بھی ہمیں شکر گزار اور پرہیز گار نہ بنا سکا تو......

تو یاد رکھنا چاہیے کہ سرد و گرم کے اس سلسلے کا اختتام جہنم کی اس آگ میں ہوگا جس کو کوئی سرد نہیں کرسکتا۔ ہاں اگر یہ سردی بندگی کی زندگی اور شکر گزاری کا درس دے گئی تو پھر وہ فردوس ہمارا مسکن ہوگی جہاں جاڑے کی ٹھر ہوگی اور نہ گرمی کی تمازت وجود کو جھلسائے گی۔ یہ فردوس خدا کے ان بندوں کا انعام ہے جو زندگی کے ہر سرد و گرم میں اسے یاد رکھیں اور اس کی بندگی کو زندگی کی حرارت بنالیں۔ جنت ایسے ہی لوگوں کی منتظر ہے۔

شیطانی فیصلہ

امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرتے ہوئے امریکی سفارت خانہ وہاں منتقل کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس فیصلے کے اپنے سیاسی محرکات ہیں اور آنے والوں دنوں میں اس کے بہت سے نتائج امریکہ اور مشرق وسطیٰ کی سیاست پر مرتب ہوں گے۔

سیاسی پہلو سے قطع نظر صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے فیصلے کو دیکھنے کا ایک دوسرا زاویہ بھی ہے۔ یہ وہ زاویہ ہے جس پر ہم نے اپنی کتاب ''آخری جنگ'' میں بہت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ اس زاویے کی رو سے ڈونلڈ ٹرمپ کا یہ فیصلہ ایک شیطانی فیصلہ ہے۔ اس قدم سے اسرائیل یا امریکہ کو اتنا فائدہ نہیں ہوگا جتنا شیطان اور اس کے ایجنڈے کو ہوگا۔ شیطان کا ایجنڈا نفرت ہے۔ اس کا ایجنڈا اسلام کی دعوت کا راستہ روکنا ہے۔ اس کا ایجنڈا اسلام اور اور غیر مسلموں کے درمیان فاصلہ بڑھانا ہے۔ یہ ساری چیزیں اس فیصلے سے فوری طور پر حاصل ہو جائیں گی۔

اس سے قبل مسلمانوں کے بعض انتہا پسند گروپوں کی دہشت گردی کی وجہ سے غیر مسلم اسلام سے پہلے ہی دور ہو چکے ہیں۔ مغرب میں اسلام سے نفرت بڑھ رہی ہے۔ اب اس فیصلے کے نتیجے میں مسلمانوں میں غیر مسلموں کے خلاف نفرت اور غصہ بڑھے گا۔ یہ دوطرفہ نفرت ہی شیطان کا اصل مقصود ہے۔ اس سے انتہا پسندی اور دہشت گردی کو فروغ ملے گا اور غیر مسلم اسلام سے مزید دور ہوں گے۔

اس شیطانی فیصلے کو غیر موثر کرنے کا طریقہ نفرت نہیں بلکہ بہتر سیاسی حکمت عملی ہے۔ اس فیصلے پر نہ صرف عالمی رائے عامہ بلکہ خود امریکہ اور اسرائیل کے بہت سے حلقے بھی خوش نہیں۔ ایسے میں نفرت کے بجائے عالمی رائے عامہ کو ہموار کر کے امریکہ کو تنہا کرنا ایک زیادہ بہتر حکمت عملی ہے۔ نفرت کے فروغ سے مسلمانوں کو تو کچھ نہیں ملے گا، ہاں شیطان کا ایجنڈا ضرور آگے بڑھے گا۔

سن 2037 سے پہلے

پاکستان میں ایک دایاں بازو ہے جو اسلام کا نفاذ چاہتا ہے۔ ایک بایاں بازو ہے جو ملک میں سیکولرازم چاہتا ہے۔ مگر یہ دونوں گروہ ایک محدود اقلیت ہیں۔ یہاں بھاری اکثریت اس پاکستانی قوم کی ہے جو اسلام سے محبت کرتی ہے، لیکن انتہا پسندی سے نفرت بھی کرتی ہے۔

اس پاکستانی قوم کی ساٹھ فیصد تعداد نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ ان نوجوانوں نے اپنی ساری شعوری زندگی میں اسلام کے نام پر خودکش حملے ہوتے ہوئے دیکھے اور اب اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے نام پر دھرنے، راستوں کا بند ہونا، لوگوں کا گھنٹوں سڑکوں پر پھنسے رہنا، بے ہودہ گفتگو اور گالیاں اور ان گالیوں پر سبحان اللہ ماشاء اللہ کی داد کو دیکھ رہی ہے۔

یہ نوجوان نسل آئندہ آنے والے برسوں میں سیاسی جماعتوں، بیوروکریسی، فوج اور عدلیہ جیسے طاقتور اداروں سمیت تمام ملک کی بھاگ دوڑ سنبھالے گی۔ اس نوجوان نسل کے لیے دائیں اور بائیں بازو کی بحثیں غیر اہم ہیں۔ یہ ان کو پڑھتے ہیں نہ سنتے ہیں۔ یہ نوجوان اپنا ذہن خودکش حملوں اور دھرنوں کی روشنی میں بناتے ہیں۔ ایک خودکش حملہ آور اس نوجوان نسل کو اس نتیجے تک خود ہی پہنچا دیتا ہے جس پر بائیں بازو کے دس دانشور بھی نہیں پہنچا سکتے۔ اسی طرح مذہب کے نام پر کیا گیا ایک دھرنا اور اس میں استعمال کی گئی زبان ہی اس نوجوان اکثریت کو اس نقطہ نظر پر قائل کرنے کے لیے بہت ہے جس پر انھیں سیکولرازم کے ہزار حامی بھی قائل نہیں کر سکتے۔

لوگ موجودہ دھرنے کو حکمران پارٹی اور مقتدر طبقات کی مخاصمت کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ مگر ایک باشعور انسان جو جانتا ہے کہ سماج اور تاریخ کن عوامل کے تحت کام کرتے ہیں، ان حالات میں پاکستان کا مستقبل دیکھ سکتا ہے۔ سیاسی مفادات کے لیے اسلام کا یہ استعمال اسی طرح جاری رہا تو اطمینان رکھیے، اگلے بیس برس میں یعنی سن 2037 سے پہلے ہی یہ نسل اپنا فیصلہ سنا دے گی۔

جہنم کا ساتھی

پچھلے دنوں ایک صاحب نے اپنا ایک غیر معمولی تجربہ مجھ سے بیان کیا۔ انھوں نے بتایا کہ انھیں کسی صاحب علم کے متعلق بعض منفی نوعیت کی باتیں بتائی گئیں۔ انھوں نے جذبات میں آ کر ان کے خلاف ایک زوردار مضمون لکھ ڈالا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ یہ مضمون اپنے فیس بک اکاؤنٹ پر ڈالیں گے۔ مگر مضمون ڈالنے سے ذرا پہلے انھیں خیال آیا کہ یہ دیکھ تو لوں کہ جس کے خلاف یہ مضمون لکھا گیا ہے، اس نے یہ سب کچھ کہا بھی ہے یا نہیں۔

انھوں نے جیسے ہی تحقیق کی تو انھیں معلوم ہوا کہ جو باتیں انھیں بتائی گئیں وہ درست نہ تھیں۔ ایک لمحے کو تو ان کو خیال آیا کہ اتنی محنت سے لکھا گیا ایسا زبرست مضمون ضائع گیا، مگر پھر اگلے ہی لمحے ان کو احساس ہوا کہ وہ آخرت کی کتنی سخت رسوائی اور اللہ کی پکڑ سے بچ گئے۔

ان کی یہ بات سن کر میں نے توجہ دلائی کہ آپ کی نیت اچھی تھی، اس لیے اللہ نے آپ کو بچالیا۔ آپ کے دل میں وہ بات ڈال دی جو قرآن و حدیث میں بہت وضاحت سے بیان ہوئی کہ ہر خبر کی تحقیق کرو اور سنی سنائی بات آگے نہ پھیلاؤ۔ آپ کے حسن نیت کی بنا پر آپ کے لیے بہر حال ایک اجر لکھ دیا گیا ہے اور وہ آپ کی اس محنت کا ہے جس کے ساتھ آپ نے مضمون لکھا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی ہر حال میں مدد کرتے ہیں۔ اس مدد کی ایک شکل ان کی غلطیوں پر یہ ہوتی ہے کہ جب وہ کسی غلط راستے پر چل پڑتے ہیں تو ان کو کسی نہ کسی طرح متنبہ کر دیا جاتا ہے۔ جو لوگ اس رہنمائی کو قبول کر لیں، ان کو ہدایت دے دی جاتی ہے۔

اس کے برعکس جو لوگ اپنے تعصّبات میں اندھے ہو جاتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی کسی رہنمائی کو قبول نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ ان کو کھول کر ان کی غلطی بیان کر دی جائے تب بھی وہ باز نہیں آتے۔ ایسے لوگوں کو شیطان کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور جہنم میں بھی وہی ان کا ساتھی رہتا ہے۔

زبان دانی کا ذوق

زبان دانی کا ذوق کیا ہوتا ہے، اسے اگر سمجھنا ہے تو مولانا محمد حسین آزاد کی کتاب ''آب حیات'' میں میر تقی میر کی دلی سے لکھنؤ ہجرت کا واقعہ پڑھنا چاہیے۔ وہ لکھتے ہیں:

میر تقی میر جب لکھنؤ چلے تو ساری گاڑی کا کرایہ بھی پاس نہ تھا۔ ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہو گئے تو دلی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دور آ گے چل کر اس شخص نے کچھ بات کی۔ یہ اس کی طرف سے منہ پھیر کر ہو بیٹھے۔ کچھ دیر کے بعد پھر اس نے بات کی۔ میر صاحب چیں بہ چیں ہو کر بولے کہ صاحب قبلہ آپ نے کرایہ دیا ہے۔ بے شک گاڑی میں بیٹھے۔ مگر باتوں سے کیا تعلق! اس نے کہا، حضرت کیا مضائقہ ہے۔ راہ کا شغل ہے، باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے۔ میر صاحب بگڑ کر بولے کہ خیر آپ کا شغل ہے۔ میری زبان خراب ہوتی ہے۔

زبان ابلاغ کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ عوام کو مخاطب بناتے ہیں، ان کی یہ ایک بنیادی ذمہ داری ہے کہ زبان دانی کا اچھا ذوق پیدا کریں۔ ورنہ بعض اوقات ادبی اسالیب سے ناواقفیت بڑی غلط فہمی کا سبب بن جایا کرتی ہے۔ کم علمی غلط فہمی کو کیسے جنم دیتی ہے، اس کی ایک سادہ مثال علامہ اقبال پر ہونے والی ایک تنقید ہے۔ اقبال کا ایک مشہور شعر جو ان کی نظم ''جواب شکوہ'' کا ایک حصہ ہے، اس طرح ہے:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

اس شعر پر بعض اہل علم کی طرف سے اقبال پر یہ تنقید کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک پیغمبر تھے۔ پیغمبر بھی ایسے جن کے اطمینان قلب کے لیے مردہ پرندوں کو انھیں زندہ کر کے دکھایا گیا، (البقرہ 260:2)۔ اس لیے اقبال کا یہ تصور کہ آج بھی ابراہیم علیہ السلام جیسا ایمان پیدا ہو سکتا ہے،

ایک غلطی ہے۔ مگر یہ تنقید اس ادبی اسلوب کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے کہ شرطیہ اسلوب میں ضروری نہیں ہوتا کہ متکلم جس چیز کو بطور شرط بیان کر رہا ہو وہ اس کے وقوع کا قائل بھی ہو۔ چنانچہ اس شعر میں اقبال ایمان کی طاقت کے بیان کے لیے ایک امر محال کو بطور مثال لے آئے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ ان کا نقطہ نظر ہے کہ آج کے دور میں کسی شخص میں ابراہیم علیہ السلام کے جیسا ایمان پیدا ہو سکتا ہے۔

یہ اعلیٰ ادبی اسالیب ساری زبانوں میں یکساں ہوتے ہیں۔ دوسروں کو چھوڑیے قرآن مجید جو عربی زبان کے ادب کی سب سے بلند کتاب ہے، اس میں بار ہا یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ مثلاً ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(اے پیغمبر!) تمھاری طرف اور تم سے پہلے گزرے ہوئے تمام انبیاء کی طرف یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم شرک کرو گے تو تمھارے اعمال اکارت ہو کر رہ جائیں گے اور تم خسارہ پانے والوں میں سے ہو کر رہ جاؤ گے، (الزمر 39:65)۔

یہاں اگر سے شروع ہونے والا شرطیہ اسلوب ہے۔ اس ''اگر'' کی بنیاد پر کوئی شخص اگر یہ مقدمہ قائم کرے کہ قرآن مجید معاذ اللہ انبیا کے شرک کا قائل ہے تو ظاہر ہے کہ اس کا نقطہ نظر زبان و بیان کی رو سے غلط ہوگا۔ کیونکہ یہاں بھی ایک امر محال کو بطور مثال بیان کیا گیا ہے نہ کہ بطور واقعہ۔

اس طرح کے اسالیب متکلم کا اصل مدعا جس شدت سے مخاطب تک پہنچاتے ہیں وہ کسی اور طرح ممکن نہیں ہوتا۔ جو لوگ زبان و بیان کا اعلیٰ ذوق رکھتے یا کم از کم منطق سے ہٹ کر فطری بنیادوں پر زبان کو سمجھتے ہیں وہ ان کا مفہوم سمجھنے میں کوئی غلطی نہیں کرتے۔ لیکن جو لوگ زبان کو منطق سمجھتے ہیں وہ ایسے اسالیب سے بالکل الٹے معنی نکال لیتے ہیں۔ مگر آخر کار وہ اس سوال کا کوئی جواب دینے سے خود عاجز ہو جاتے ہیں کہ کیا قرآن مجید انبیاء علیہم السلام کے شرک کا قائل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ہر گز قرآن مجید کا مدعا نہیں۔ مگر زبان ناشناس لوگ آخر کار اسی عقدہ لاینحل کا شکار ہو کر رہتے ہیں۔

جرم، مجرم اور خدائی انصاف

جرائم کے خاتمے اور عدل وانصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر جرم کی سزا دی جائے۔ اسی اصول پر مختلف جرائم کی سزا مقرر کی جاتی ہے۔ لیکن جب کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کرتا ہے تو عدل وانصاف ہی کا تقاضا ہے کہ اسے آنکھیں بند کر کے سزا نہ سنائی جائے۔ نہ کسی عام آدمی کو یہ حق دیا جاسکتا ہے کہ وہ کسی متعین فرد پر کوئی الزام لگا کر جرم وسزا کے فیصلے خود کرنا شروع کر دے۔

اس مقصد کے لیے عدالتیں بنائی جاتی ہیں جہاں ملزم کو پیش کیا جاتا ہے۔ اس پر جرم کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ ثبوت پیش کیے جاتے ہیں۔ ملزم کو صفائی کا موقع ملتا ہے۔ اس تمام عمل کے نتیجے میں پوری صورتحال سامنے آجاتی ہے۔ جرم اپنی نوعیت اور ملزم اپنے حالات کے لحاظ سے کسی رعایت کا مستحق نہ ہو تو سخت ترین سزا سنائی جاتی ہے۔ بصورت دیگر جرم ثابت ہونے کے بعد بھی سزا میں کچھ نہ کچھ تخفیف کر دی جاتی ہے۔

انسانوں میں عدل کا یہ کامل شعور اگر موجود ہے تو وہ اس لیے نہیں کہ انسان نے ارتقا کی سیڑھی پر چڑھتے ہوئے حیوانیت سے انسانیت کا سفر طے کیا اور پھر رفتہ رفتہ ارتقا ہی نے انسان کو یہ سب کچھ سکھا دیا۔ اس عدل کا ماخذ خدا کی اپنی ہستی ہے۔ اسی نے عدل کا یہ شعور دے کر انسان کو اس دنیا میں بھیجا ہے۔ چنانچہ اس عدل کا سب سے بڑا مظاہرہ خود اللہ تعالیٰ نے کر کے دکھایا ہے اور اس کی تفصیل کو قرآن مجید میں تا قیامت محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید میں شرک کو واحد ناقابل معافی جرم کے طور پر بیان کیا گیا ہے، (النساء4:48)۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتمام حجت کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے سرزمین عرب کے لوگوں کو اِسی دنیا میں شرک کی سزا دینے کا فیصلہ کیا تو تمام مجرموں کے حالات کی پوری پوری رعایت

کی۔ جن لوگوں نے شرک کو بطور دین اختیار کیا تھا، ان کو زیادہ سے زیادہ سزا یعنی سزائے موت دی گئی۔ وہ اہل کتاب جنھوں نے شرک کیا، لیکن تاویل کی غلطی کا شکار ہوئے، ان کو رعایت دیتے ہوئے مغلوبیت کی سزا دی گئی۔ اس کے بعد دو گروہوں کا معاملہ خدا کی حکمت اور عدل کو مزید واضح کرتا ہے۔ ان میں سے پہلے منافقین ہیں۔ یہ منافقین اصلاً مذکورہ بالا گروہوں سے متعلق تھے۔ یہ قلباً مشرک تھے لیکن مجبوراً اسلام لے آئے تھے۔ چونکہ یہ اسلام کے مدعی تھے، اس لیے ان کو پچھلے دو گروہوں کی طرح کوئی سزا نہیں سنائی گئی۔ حالانکہ قرآن مجید ہی میں یہ بیان ہوا ہے کہ ان منافقین کا جرم اتنا سنگین تھا کہ اصل فیصلے کے دن یہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں ہوں گے۔ مگر چونکہ یہ زبانی اسلام کا اقرار کرتے تھے، اس لیے عدل کا لحاظ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کو شرک کی کوئی سزا نہیں سنائی۔ یہیں سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو دلوں کے حال جانتے ہیں، صرف اپنے علم کی بنیاد پر سزا نہیں دیتے۔ ورنہ منافقین کے دلوں کا حال اللہ سے پوشیدہ نہ تھا۔ اسی طرح وہ لوگ جن تک حق کی دعوت نہیں پہنچی تھی، ان کو بھی کوئی سزا نہیں دی گئی۔ کیونکہ ان کے پاس یہ عذر تھا کہ ان تک بات ہی نہیں پہنچی۔ چنانچہ ان کو جائے امن فراہم کرنے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ کلام اللہ کو سن لیں۔ یہ بھی عدل ہی کا ایک تقاضا تھا کہ جس شخص تک بات نہیں پہنچی اسے سزا نہ دی جائے۔ یہ ساری تفصیل سورہ توبہ میں بیان ہوئی ہے۔

عقل وفطرت کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس سے کہیں بڑھ کر قرآن مجید کی تصریحات بتاتی ہیں کہ قیامت کے دن بھی اللہ تعالیٰ عدل کے ان تمام تقاضوں کا پورا پورا لحاظ کریں گے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ روزِ حشر برپا کرنے اور اس روز ساری انسانیت کو اکٹھا کرنے کی کوئی اور وجہ نہیں ہو سکتی سوائے اس کے کہ جس کو سزا ملے، سب مانیں کہ وہ سزا کا مستحق تھا۔ یہی معاملہ جزا کا بھی ہے۔

چنانچہ قرآن مجید کی واضح ترین تصریحات ہیں کہ اس روز تمام انسان اللہ کے سامنے پیش

ہوں گے۔ ہر شخص زندگی بھر کے نامہ اعمال کے ساتھ خدا کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔ گواہی دینے والے پیش ہوں گے۔ یہ انسان بھی ہوں گے اور فرشتے بھی۔ ہر ملزم کو بولنے کا موقع ملے گا۔ چنانچہ قرآن بیان کرتا ہے کہ بعض مجرم جن کا جرم اِسی دنیا میں ثابت ہو چکا تھا وہ اپنے جرم ہی کا انکار کرڈالیں گے۔ مگر معاملہ چونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوگا، اس لیے ان کا منہ بند کردیا جائے گا۔ جس کے بعد ان کے ہاتھ پاؤں اور جلد ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ جب عدل کی تمام شرائط پوری ہوجائیں گی تو پھر ہی کسی مجرم کو جہنم میں پھینکا جائے گا۔

یہ ساری تفصیلات قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی قرآن وحدیث میں متعدد جرائم کی اخروی سزائیں بھی بیان ہوئی ہیں۔ لیکن کون کس درجہ کا مجرم ہے اور اسے کتنی سزا ملنی چاہیے؛ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کریں گے۔ اس لیے کہ جرائم کی سزا بیان تو کردی جاتی ہے، مگر مجرم کا فیصلہ عدالت کرتی ہے۔ خدا کی یہ عدالت قیامت کے دن لگے گی۔

موجودہ دور کے مذہبی فکر کا یہ المیہ ہے کہ وہ اس باریک فرق کو نہیں سمجھتی۔ اہل مذہب اب داعی نہیں رہے ہیں، قاضی بن چکے ہیں۔ چنانچہ اب انھیں دین پہنچانے اور سمجھانے کے بجائے زیادہ دلچسپی انسانوں کا فیصلہ کرنے میں رہتی ہے۔ لوگوں کو کافر، مشرک، گستاخ، ملحد قرار دے کر اِسی دنیا میں ان کی آخرت کا فیصلہ کردینا عام مذہبی رویہ بن چکا ہے۔ افسوسناک بات یہ ہے کہ اس طرح کے لوگ اپنے احتساب سے غافل رہ کر دوسروں کا فیصلہ کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ جبکہ خدا پرست ہمیشہ دوسرے کے لیے رعایت اور اپنے لیے احتساب کے جواز ڈھونڈتا ہے۔ پہلا رویہ خدا کے غضب اور دوسرا اس کی رحمت کو متوجہ کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین ہم کو صرف دعوتِ حق لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری دیتا ہے۔ کچھ لوگ اگر معاشرتی سطح پر کھڑے ہونا چاہتے ہیں تو ان پر فرض کرتا ہے کہ پہلے تفقّہ فی الدین

حاصل کریں اوراس کے بعد انذار کا کام کریں۔ لوگوں کو خدا کی پیشی سے خبردار کریں۔ ایمان و اخلاق کے ان جرائم پر متنبہ کریں جو خدا کی گرفت کا سبب بن سکتے ہیں۔ جہاں تک کسی متعین فرد کا سوال ہے تو اس کے بارے میں کسی شخص کو کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ بندوں کا فیصلہ کرنا صرف اللہ کا حق ہے۔ ہر شخص کا قضیہ اس کی بارگاہ میں پیش ہوگا۔ وہ عدل کے تمام تقاضوں کو پورا کر کے فیصلہ کرے گا۔ جسے جزا ملنی چاہیے اسے جزا ملے گی۔ جس کو سزا ملنی چاہیے اور جتنی ملنی چاہیے، اسے اتنی ہی سزا ملے گی۔ اور جس کے پاس کوئی قابل قبول عذر ہوا اس کا عذر قبول کیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ایک انتہائی قابل تعریف ہستی ہیں۔ کائنات میں ان کی حمد ان کی طاقت کی وجہ سے نہیں کی جاتی، ان کی خوبیوں کی وجہ سے کی جاتی ہے۔ قیامت کا دن خدا کے جمال و کمال کے ظہور کا سب سے بڑا دن ہوگا۔ وہ رب جو رائی کے دانے کے برابر کسی پر ظلم نہیں کرتا، اس روز بھی نہیں کرے گا۔ ہر شخص کے ساتھ مکمل انصاف ہوگا۔ جس کو معمولی سی رعایت بھی ملنی چاہیے، اسے دی جائے گی۔ ہاں کسی کے جرائم کی بنا پر اس کا قطع عذر کر کے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اس کے پاس کوئی عذر نہیں جس کی بنا پر وہ کسی رعایت کا مستحق ٹھہرے تو یہ کام اللہ تعالیٰ خود کرلیں گے۔ موجودہ دور کے کسی مذہبی آدمی کو بلا کر اس سے قطع عذر کے دلائل نہیں پوچھیں گے۔

زندگی میں پیش آنے والے ناگوار حالات
روزے دار کے ایک سخت دن کی طرح
آخر کار گزر جاتے ہیں (ابویحییٰ)

جذبات اور عقل

دنیا بھر میں سازشی تھیوری پر یقین کرنے والے لوگ موجود ہوتے ہیں۔ وہ ہر خلافِ مزاج بات میں سازش کے ایسے پہلو تلاش کرتے ہیں کہ انسان کو صریح ترین حقائق بھی دھوکہ لگنے لگتے ہیں۔ تاہم دنیا میں نظریہ سازش کے علمبردار اپنی بات کی تائید میں کچھ نہ کچھ قرائن اور معقول نکات ضرور پیش کرتے ہیں جن کا رد کرنے کے لیے علم ہونا بہت ضروری ہوتا ہے۔ تاہم یہ اعزاز صرف مملکت خداداد پاکستان کے حصے ہی میں آیا ہے کہ یہاں بغیر کسی قرینے کے کسی بھی حقیقت کو ایک سازش قرار دے کر جھٹلایا جاسکتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان میں لوگ بالکل جذباتی انداز فکر رکھتے ہیں۔ ایک جذباتی شخص کے مزاج کے مطابق بات کردی جائے تو اسے اس بات کو ماننے کے لیے ہی نہیں، آگے بیان کرنے کے لیے بھی کسی دلیل اور قرینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

مجھے اپنی دعوتی زندگی میں اس بات کا بار بار تجربہ پیش آیا ہے۔ مثلاً ایک دفعہ ایک صاحب میرے دفتر تشریف لائے۔ دوران گفتگو انھوں نے ارشاد فرمایا کہ پاکستان کے تمام مسائل کی اصل وجہ امریکی سازشیں ہیں۔ میں نے ان سے دریافت کیا کہ ہمارے ہاں گوالے دودھ میں جو پانی ملاتے ہیں تو کیا یہ بھی کسی امریکی سازش کا نتیجہ ہے؟ انھوں نے ترنت جواب دیا کہ ہاں یہ بھی امریکی سازش کا نتیجہ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد میرے پاس خاموش ہونے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور وہ اپنی فتح کا جشن مناتے ہوئے رخصت ہو گئے۔

اس بات کا ایک اور تجربہ مجھے حال ہی میں پیش آیا۔ میں نے کسی مضمون میں قوم کی اخلاقی حالت کا نوحہ پڑھتے ہوئے، دیگر چیزوں کے ساتھ یہ بھی بیان کردیا کہ انٹرنیٹ میں پورنوگرافی سرچ کرنے والے ٹاپ ممالک میں سے ایک نام پاکستان کا آتا ہے۔

اس کے بعد بعض احباب میری تحریروں کو پسند کرنے کے باوجود مجھے یہ باور کرانے پر تل گئے کہ یہ ہم پاکستانیوں کو بدنام کرنے کی ایک مغربی سازش ہے۔ میں نے ایک صاحب سے پوچھ لیا کہ یہ سازش کیسے ہے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ ایک انگریزی اخبار کا اڑایا ہوا جھوٹ ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کا ماخذ وہی گوگل ہے جس سے باقی سارا ڈیٹا بھی لوگ ہر روز حاصل کرتے ہیں۔ وہ نہ مانے اور کہنے لگے کہ گوگل نے بھی یہ ڈیٹا انگریزی اخبار سے لیا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اور پھر اسی وقت گوگل سے سارا ڈیٹا نکال کر ان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ وہ شریف آدمی تھے، خاموش ہو گئے۔ ورنہ الفاظ کبھی ختم نہیں ہوتے، وہ کچھ بھی کہہ کر اپنی بات پر قائم رہ سکتے تھے۔ یہی ہمارے ہاں کا عام رویہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی قوم کے دنیا میں ترقی کرنے کی بنیادی شرط یہ ہوتی ہے کہ قوم کے افراد کی اکثریت معقول انداز فکر رکھتی ہو۔ کم سے کم بنیادی حقائق سمجھنے میں وہ جذباتیت کا شکار نہ ہوتے ہوں۔ جس طرح اپنی ذاتی زندگی میں وہ معقولیت اور حقائق کو مدنظر رکھ کر فیصلے کرتے ہوں، اسی طرح وہ اجتماعی معاملات میں رائے دیتے ہوئے بھی معقولیت کا راستہ اختیار کرتے ہوں۔

اس کے برعکس جب پوری کی پوری قوم جذباتی ہیجان کا شکار ہو جائے۔ عام لوگ ہی نہیں اہل فکر و دانش بھی جذبات کے اسیر بن جائیں۔ حقائق کے بجائے رومانویت کا غلبہ ہو جائے۔ لوگ انفرادی زندگی میں عقل اور اجتماعی معاملات میں جذبات کی بنیاد پر فیصلے کرنے لگیں۔ بے معنی الفاظ بولنے اور لکھنے والے عام مقبولیت حاصل کر لیں اور معقولیت کی بات کرنے والے کی مخالفت کی جانے لگے تو سمجھ لیجیے کہ قوم کے برے دن ابھی باقی ہیں۔

اس دنیا میں کامیابی کا راستہ ایک ہی ہے: فیصلے جذبات کی بنیاد پر نہیں، حقائق کی بنیاد پر کیے جائیں۔ فرد ہو یا قوم؛ دونوں کے لیے فلاح کا یہی راستہ ہے۔

سوال و جواب

ابو یحییٰ

صلہ رحمی اور عمر میں برکت

سوال:

میں نے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ جو شخص اپنی روزی میں کشادگی چاہتا ہو یا عمر کی درازی چاہتا ہو تو اسے چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔

اس حدیث کا حوالہ صحیح بخاری سے دیا گیا تھا۔ایسی تمام احادیث کو عقلی یا اخلاقی لحاظ سے کیسے سمجھا جائے یعنی روزی میں کشادگی یا عمر کو صلہ رحمی کا نتیجہ کس طرح قرار دیا جا رہا ہے۔کیا اسے محض عقیدے یا حکم خداوندی میں چھپی حکمتوں میں سمجھا جائے۔ ظہیر احمد

جواب: السلام علیکم ورحمت اللہ و برکاتہ۔

یہ روایت بخاری و مسلم دونوں کتبِ حدیث میں موجود ہے۔اس لیے سند کے پہلو سے اس پر کوئی کلام نہیں۔صلہ رحمی ویسے بھی قرآن مجید میں ایک اہم اور بنیادی دینی مطالبے کے طور پر بیان ہوا ہے۔قرآن مجید کے علاوہ دیگر احادیث بھی صلہ رحمی کی اہمیت اور فضائل پر شاہد ہیں۔ اس لیے یہ بات تو واضح ہے کہ اس حدیث میں کوئی ایسی بات بیان نہیں ہو رہی جو مجموعی طور پر دین کے مزاج کے لیے اجنبی چیز ہو۔جہاں تک صلہ رحمی کے ان مادی نتائج کا تعلق ہے جو اس روایت میں بیان ہوئے ہیں یعنی رزق میں برکت ہو اور عمر میں اضافہ ہو اس کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ رزق ہو یا زندگی ان کے فیصلے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اسباب سے بلند ہو کر ہی کرتے ہیں۔انسان کی اپنی محنت اور کدو کاوش اپنی جگہ،لیکن عام مشاہدہ بھی یہی ہے کہ بہت سے لوگ رزق اور عمر میں معلوم اسباب کے خلاف بھی نتائج حاصل کرتے ہیں۔اس لیے یہ عجب نہیں کہ

اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنے والوں کے ساتھ خصوصی رحمت اور برکت کا معاملہ کریں۔ گرچہ اس میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ امتحان کا پردہ بالکل نہ اٹھ جائے۔ یعنی یوں نہیں ہوتا کہ صلہ رحمی کرنے والے پر فوراً اور لازماً دولت کی بارش ہو جاتی ہے۔ لیکن مجموعی طور پر مشاہدہ یہی ہے کہ ایسے انسان خوش رہتے ہیں۔ ان کی زندگی اور رزق دونوں ہی برکت پاتے ہیں۔

غیر شادی شدہ خواتین کے صبر کا اجر

سوال: سننے میں آیا ہے کہ جن لڑکیوں کی شادی نہیں ہو پاتی اور وہ تمام عمر راہ راست پر قائم رہیں تو ان کو شہادت کا مرتبہ عطا ہوتا ہے۔ اگر یہ بات درست ہے تو برائے مہربانی اس کا کوئی مستند حوالہ بیان کر دیجیے۔

جواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ بات کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں ہے لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے بالکل ٹھیک ہے۔ جو بچیاں اس امتحان سے گزرتی ہیں، انہیں زندگی میں صرف ایک بار نہیں بلکہ ساری عمر کے لیے ضبط کرنا پڑتا ہے۔ لہٰذا امید ہے کہ اس کا اجر ان شاء اللہ شہید کے مقام سے بھی زیادہ ہو گا۔ کیونکہ شہید سے بلند مقام صدیقین کا ہوتا ہے، جو اپنے قول و فعل میں حق کی تصدیق کرنے والے اور حق پر ثابت قدم رہنے والے ہوتے ہیں۔ وہ جس بات کو حق مانتے ہیں ساری زندگی اسی کے مطابق گزارتے ہیں۔ تو چونکہ ایسی بہنیں، بچیاں اسی اصول پر اپنی زندگی گزارتی ہیں یعنی عفت کو وہ ایک دینی مطالبہ سمجھ کر ساری زندگی عفت اور صبر کے ساتھ گزارتی ہیں تو اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ شہادت سے بھی افضل مقام یعنی صدیق کا مقام ان شاء اللہ پائیں گی۔

ابو یحییٰ

عمار خان ناصر

ریاکاری سے کیسے بچیں

سچی بات یہی ہے کہ ریا اور عُجب (خود پسندی) وغیرہ سے دل کو پاک کرنا تکلیف مالا یطاق کے زمرے میں آتا ہے۔ خاص طور پر غزالی وغیرہ نے جو معیارات بتائے ہیں، وہ فرشتوں کی تحلیل نفسی میں تو مدد دے سکتے ہیں، ہمارے کسی کام کے نہیں۔

ہاں، دو تین چیزوں کا اہتمام کیا جا سکتا ہے:

ایک، اس دعا کا التزام رکھا جائے کہ اللھم مغفرتك اوسع من ذنوبنا ورحمتك ارجی عندنا من عملنا (اے اللہ، تیری بخشش ہمارے گناہوں سے کہیں وسیع ہے اور ہماری امیدوں کا سہارا ہمارے عملوں سے کہیں بڑھ کر تیری رحمت ہے)۔

دوسرے، کسی بھی نیک عمل کے آغاز میں اپنی نیت کو اللہ کے لیے خالص کرنے کو اپنی عادت بنا لینی چاہیے۔ اس کے بعد کوئی دیکھتا ہے تو دیکھتا رہے۔ بس یہ نیت شامل کر لی جائے کہ شاید مجھے اچھا کام کرتے ہوئے دیکھ کر کسی اور کو بھی ترغیب ہو اور وہ بھی اس کو اختیار کر لے۔ یوں میرے لیے یہ صدقہ جاریہ بن جائے۔

تیسرے، حسب استطاعت ایک دو ایسے نیک عملوں کو زندگی کا حصہ بنا لیا جائے جنھیں ریا سے پاک رکھنا بس میں ہو۔ اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ ان اعمال کی کسی غیر متعلق شخص کو خبر نہ ہو۔ جب دوسروں کو معلوم نہیں ہوگا تو ریا کا کوئی امکان بھی باقی نہیں رہے گا۔ اور یہ نیت رکھی جائے کہ کل خدا کے سوال کرنے پر کچھ نہ کچھ نمونے کے طور پر پیش کرنا ممکن ہو۔

اللہ ہم سب کا مددگار ہو۔ آمین

شہزاد سلیم (ترجمہ: محمود مرزا)

خاموشی کی سات خوبیاں

خاموشی کو عام طور پر ایک کمزوری سمجھا جاتا ہے۔ یہ خاموشی کسی ایسے موقع پر اختیار کی جائے جب کہ بولنا ناگزیر ہو تب تو یقینی طور پر یہ ایک کمزوری ہی کہلائے گی۔ البتہ بہت سے ایسے مواقع بھی ہوتے ہیں جہاں پر خاموشی ہمارے لیے ایک بہترین معلم اور نہایت مفید ساتھی ثابت ہوتی ہے۔

چند لازمی فوائد جو خاموشی اختیار کرنے سے حاصل ہو سکتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

1۔ خاموشی کی مدد سے ہمیں موقع مل جاتا ہے کہ ہم بے شمار مسائل پر اطمینان سے غور و خوض کر سکیں اور ان کی صحیح طور پر عکاسی کر سکیں۔ بلکہ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ اسی سوچ بچار کے ذریعے سے ہم ان بہت سے مسائل کی جڑ تک پہنچ جاتے ہیں جو عرصہ دراز سے ہمیں درپیش ہوتے ہیں۔

2۔ خاموشی ہمیں سکھاتی ہے کہ ہم دوسروں کی بات کو بہت غور سے اور توجہ سے سنیں۔ کسی کی بات کا بالکل ٹھیک جواب ہم تب ہی دے سکتے ہیں جب ہم گفتگو کے اصل مقصد اور مدعے کو صحیح طور پر سمجھ پائیں۔ اور یہ خاموشی کی ہی صورت میں ممکن ہے۔

3۔ خاموشی ان چیزوں اور معاملات پر بھی ہمارے احتجاج اور ناپسندیدگی کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے جو بری ہوتی ہیں اور ہم ان کا حصہ نہیں بننا چاہتے۔

4۔ خاموشی ہمیں ہماری اپنی ذات کا احتساب کرنے کا اور ہماری اپنی کوتاہیوں کا تنقیدی جائزہ لینے کا بھرپور موقع فراہم کرتی ہے۔

5۔ خاموشی کی مدد سے ہمیں خدا کی بے پناہ عنایات کا شکر ادا کرنے کا موقع بھی مل جاتا ہے۔

6۔ خاموشی ہمیں اندرونی طور پر مضبوط بنا سکتی ہے اگر ہم اسے اپنے اندر موجود باطنی طاقتوں اور صلاحیتوں کا تجزیہ کرنے کے لیے استعمال کریں۔

7۔ خاموشی کسی بھی شخص کے اندر توازن، سکون اور مضبوطی کے اوصاف پیدا کر سکتی ہے جس کے نتیجے میں وہ شخص اپنے ارد گرد موجود لوگوں پر اپنا اثر و رسوخ قائم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔

خاموشی کی یہی خوبیاں ہمارے بیشتر مسائل کا حل اور دنیا و آخرت کی کامیابی کی ضامن ہیں۔

شہزاد سلیم (ترجمہ: محمود مرزا)

آئینے میں موجود شخص

آئینے میں موجود شخص ہی دراصل وہ شخص ہوتا ہے جسے ہماری توجہ کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے برعکس ہماری توجہ اور دلچسپی کا مرکز دوسرے لوگوں کی کمزوریاں، کوتاہیاں، خامیاں اور خرابیاں ہوتی ہیں۔ تاہم ہم با آسانی اپنی اس عادت سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اور اپنی ذات کی طرف پلٹ سکتے ہیں، اگر ہم اپنی زندگی کے دیگر اہداف کی طرح اپنی شخصیت کے ارتقا کو اور ایک اچھا انسان بننے کو بھی اپنی زندگی کا اہم ترین ہدف بنالیں۔

اس سلسلے میں ایسے لوگوں کی سوانحِ حیات کو پڑھنا انتہائی مفید اور کارگر ثابت ہوگا جو اخلاق و کردار کی اعلیٰ ترین مثال رہے ہوں۔ اس کا ہماری شخصیت اور کردار پر اتنا غیر معمولی اثر ہوتا ہے ان لوگوں کا ہر وصف غیر شعوری طور پر ہمارے عمل میں ڈھلتا چلا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں ہم وہ کچھ پانے کے قابل ہو جاتے ہیں جو بظاہر ناقابلِ حصول لگتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ معاشرے کے وہ خاص اور نایاب افراد ہوتے ہیں جن میں یہ صلاحیت پائی جاتی ہے کہ وہ لوگوں کا دل بدل دیں اور ان کی روح میں اضطراب پیدا کر دیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے خون سے بے غرضی، ہمت، عاجزی وانکساری اور دیانتداری کی داستان لکھی ہوتی ہے۔

اسی ہدف کو حاصل کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ گرد و پیش میں موجود مندرجہ بالا خصوصیات کے حامل ایسے راستباز افراد کو تلاش کیا جائے جو ان تمام اوصاف کی زندہ اور جیتی جاگتی مثال ہوں۔ ایسا کرنے کے لیے زیادہ نہیں بس ذرا سی کوشش درکار ہوتی ہے۔ اگر ہم ایسے لوگوں کی صحبت میں وقت گزاریں اور غیر محسوس انداز میں ان سے سیکھنے کا عمل جاری رکھیں تو یہی چیز ہمای شخصیت کی تعمیر اور ارتقاء کے لیے بہترین ذریعہ بن جائے گی۔

تو آیئے ہم دوسروں کو گھورنا بند کریں اور آئینے میں موجود شخص کی طرف اپنی توجہ مرکوز کریں۔ اور دوسرے لوگوں کے اپنے آئینے کو ان کے لیے کافی سمجھیں۔

فرح رضوان

الفاظ کے سائیڈ افیکٹس (معمر خواتین کے لیے اصلاحی تحریر)

''نہ نہ نہ...... مجھ سے یہ امید بالکل نہیں رکھنا، لو بھلا پہلے اپنے بچے پالو پھر بچوں کے بچے۔
یہ وہ الفاظ ہیں جنہیں اپنی زبان سے، سوچ سے، نفسیات سے نکال باہر پھینکنا ازحد ضروری ہے۔
یہ الگ بات ہے کہ آپ واقعی اپنے بچوں کے بچوں کو نہ بھی پالیں لیکن یہ بات کہنے والی، ہرگز نہیں جبکہ اس کے برعکس ہمارا طریقہ یہ ہوتا جا رہا ہے کہ ہم باقاعدہ کم عمری سے ہی اپنے بچوں کو ایسی باتیں ذہن نشین کروا رہے ہوتے ہیں جن سے ان کی سوچ ہر بات کا منفی رخ دیکھنے کی عادی ہو جاتی ہے۔

دنیا بھر میں لوگ بیماریوں کے علاج کے لیے اب دوا سے زیادہ غذا یا قدرتی طریقوں کو ترجیح دینے لگے ہیں تاکہ دوا سے صرف وقتی علاج نہ ہو اور اس کے ڈھیروں ڈھیر سائیڈ افیکٹس کی وجہ سے مزید دس طرح کی بیماریوں سے بھی بچا جا سکے۔ بالکل اسی طرح الفاظ کے بھی سائیڈ افیکٹس ہوتے ہیں۔ اگر صحیح موقع پر درست الفاظ کا انتخاب نہ کیا جائے تو یہ انسانی تعلقات میں دراڑ تو ڈالتے ہی ہیں، ان کے سائیڈ افیکٹس ہمیں مزید خرابیوں اور برائیوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

اگر آپ کی اولاد اپنی اولاد کی منصوبہ بندی دیر سے کرے تو اس کی تربیت میں آپ کا کیا حصہ ہوگا؟ زندگی کے تجربات کو اپنی آنے والی نسلوں کو سنوارنے میں کیسے استعمال کر پائیں گی۔ ہر نیکی یا اچھا کام صدقہ ہے جس کا اجر تو یقینی ہے، چاہے جانوروں اور پرندوں پر ہی کیوں نہ ہو۔ آپ بھلے اپنی اولاد کے جگر گوشوں کی تربیت میں حصہ نہ لے کر صدقہ کے اجر سے محروم رہیں لیکن بنا سوچے سمجھے وہ الفاظ زبان سے بالکل نہ نکالیں جن سے فائدہ کے بجائے نقصان ہو۔ اس لیے اس جملہ یا سوچ کہ ''پہلے اپنے بچے پالو پھر بچوں کے بچے'' کا اظہار ہرگز مت

کریں۔ کیونکہ یہ احسان جتانا بھی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔

اسی طرح جب آپ کے بچے اپنے بچوں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو ان کو اس بات پر سراہنا ہی کافی ہوتا ہے۔ بات بات پر ان کو یہ احساس دلانا کہ ہم نے بھی تمہارے لیے یہ سب کچھ کیا، اس سے کہیں زیادہ اور مشکل حالات میں کیا، یہ سب غیر ضروری باتیں اور احسان جتانا ہے۔ نیز دلوں میں بدگمانی ونفرت جیسے جذبوں کے جنم لینے کا باعث بھی ہمارے یہی نامناسب الفاظ اور رویے ہوتے ہیں۔ یہ سراسر نقصان ہے اگر فرشتے لکھیں تو بھی اور بچوں کی نفسیات متاثر ہو تب بھی۔ اعتدال ہر بات میں ضروری ہے۔ جب کبھی آپ کو لگے کہ کسی اضافی ذمہ داری سے آپ کے دیگر اہم کاموں میں خلل آ رہا ہے تو نرمی سے اپنے بچوں کو آگاہ کریں۔ عموماً تو بچے خود رعایت کرتے ہیں لیکن کبھی مجبوری میں خودغرضی بھی کر جاتے ہیں...... مگر آپ ان کے لیے دعا کے ساتھ ساتھ خوش دلی سے بات چیت جاری رکھیں۔

اسی طرح نوعمری سے ہی بات بات پر بچوں کے ذہنوں میں یہ تاثر بھی نہ بٹھائیں کہ اگر انہوں نے کیریئر نہ بنایا تو فیملی نہیں بنا سکتے۔ اس سوچ سے دو طرح کی گڑبڑ کے امکانات ہیں۔ پہلی یہ کہ بچہ دو میں سے ایک آپشن کو چنتے ہوئے کریئر بنانے کے لیے پڑھائی کی طرف دھیان دینا ہی چھوڑ دے کیونکہ بل گیٹس بننا سبھی کو آسان لگتا ہے، دوسرا یہ کہ اتنا زیادہ کیریئر اورینٹڈ بن جائے کہ شادی کی عمر میں شادی سے اور فیملی بنانے کی عمر میں اس ذمہ داری سے بھاگتا رہے۔

مزید ایک عام رویہ یہ بھی ہے کہ ہماری خواتین کو اپنی زندگی بس اتنی درکار ہے کہ بچوں کی شادی ہو جائے، یہ اپنے اپنے گھروں کے ہو جائیں۔ اور ہمارے آخرت کے گھر کا کیا؟ زندگی بھر اپنے دنیاوی کاموں میں مصروف رہ کر آخرت کے ابدی گھر کو نظر انداز کیے رکھتے ہیں اور بڑھاپے میں دنیا چھوڑ کر اللہ سے لو لگانے کی بات کرتے ہیں۔ دنیا میں رہتے ہوئے اسے

چھوڑنے کی تمنا آخر کیوں؟ دنیاوی معاملات میں بہترین طرزِعمل ہی آخرت کے لیے زادِ راہ ہے۔لہٰذا زندگی میں نیک اعمال کرنے کی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دنیا چھوڑنے کی سوچ کو ختم کریں۔اور اگر اللہ کے پاس جانے کی جلدی ہے بھی تو اس کے حضور پیش کرنے، اسے راضی کرنے کے لیے لے کر کیا جا رہے ہیں؟ اعتدال کا دامن تھامے ہوئے مثبت سوچ کے ساتھ عملِ صالح کرتے رہیں۔البتہ اللہ سے دعا ضرور کرتے رہیں کہ آپ کی محنت قبول کر لی جائے اور جب اللہ کے پاس یہ عمل محفوظ ہے تو بس پھر مضطرب رہنے کے بجائے مطمئن رہنا سیکھیے۔شکوہ شکایت کرنے کے بجائے اللہ کا شکر ادا کرتے رہیں۔الحمدللہ صرف ایک بار کہنے سے جب اتنا بڑا میزان بھر سکتا ہے تو آپ کا دل خوشی سے کیسے نہیں بھر سکتا؟

اگر بڑھاپے میں تنہائی محسوس ہوتی ہے تو اپنے ذرائع سے پتہ کریں کہ کس طرح اپنا فالتو وقت گزار سکتی ہیں۔اس سلسلے میں دو باتیں گرہ سے باندھ لیں۔ایک یہ کہ بڑھاپے کا رونا مت روئیں بلکہ اللہ کا ذکر کر لیا کریں، ورنہ پریشان کن الفاظ سے صحت کو مزید دیمک لگنے کا خطرہ ہوتا ہے۔یاد ہے نا ''الفاظ کے سائیڈ افیکٹس'' سے بچنا ہے۔دوسرا یہ کہ گزرے وقت پر ندامت کو چھوڑ کر اگلے وقت کے لیے استقامت کا مظاہرہ کیجیے۔پہلے دین کا علم نہیں تھا یا عمل نہیں کیا یا بچے ویسے نہیں پالے......تو توبہ کے ساتھ اس کا کفارہ ادا کرنے کی کوشش کریں۔ایک تو یہی کہ اپنے ہی گرینڈ کڈز کی بہتر تربیت میں مدد کریں، دوسرا یہ کہ آس پڑوس کی ماؤں کی اس سلسلے میں مدد؛ پڑھنے لکھنے، سلائی کڑھائی، بنائی کرنے یا کھانا پکانے میں رہنمائی جو بھی آپ کر سکیں ان کا وقت بچانے اور کچھ سکھانے کے لیے تو ضرور کریں۔اگر مناسب رقم پس انداز ہوتی ہے تو کسی خیر کے کام میں لگا لیں۔خوش رکھیں، خوش رہیں اور ہمیشہ الفاظ کے بہتر استعمال سے ان کے برے سائیڈ ایفیکٹس سے بچیں۔

طاہر محمود

یہ پچھتاوے!!!

رستم اپنے کاروبار، بیوی بچوں اور دوست احباب وغیرہ کے ساتھ بے حد مصروف رہتا تھا۔اس کے والدین اس کی توجہ،محبت اور وقت کو ترستے ہوئے باری باری دنیا سے رخصت ہو گئے۔اب رستم پہلے سے بھی زیادہ مصروف رہتا ہےمگر جب اسے اپنے والدین یاد آتے ہیں تو وہ ان کے لیے گھنٹوں گھنٹوں روتا ہے۔وہ سوچتا ہے کہ اگر اسے پہلے احساس ہو جاتا اور وہ یہ گھنٹے والدین کو ان کی زندگی میں دے دیتا تو شاید آج اسے اتنا پچھتاوا نہ ہوتا......

شہباز اپنے بڑے بھائی کی روک ٹوک اور وعظ ونصیحت سے بہت تنگ تھا۔مگر بڑے بھائی کے حادثے میں فوت ہو جانے کے بعد اسے احساس ہوا کہ اس کا بڑا بھائی تو اس کا بہت بڑا خیر خواہ تھا۔وہ جب بھی بھائی کی قبر پر دعا کرنے جاتا ہے تو پھوٹ پھوٹ کر روتا ہے۔مگر افسوس......

بابر اپنی دادی جان کے ہاتھوں میں کھیل کر بڑا ہوا تھا۔اس کا بہت دل چاہتا تھا کہ کبھی اپنی دادی جان کے ساتھ بیٹھ کر گھنٹوں وقت گزارے اور بچپن کی یادیں خوب تازہ کرے۔مگر پڑھائی،نوکری، بیوی بچے اور دوست احباب وغیرہ نے اسے بہت مصروف کیا ہوا تھا۔لہٰذا وہ ان کے لیے زیادہ وقت کبھی نہ نکال سکا۔بس سلام دعا ہوتی رہتی تھی۔اسی طرح وقت پر لگا کر اڑ گیا اور دادی جان بیمار رہ کر دنیا سے رخصت ہو گئیں۔اب کبھی کبھی وہ دادی جان کے متعلق گھنٹوں سوچتا رہتا ہے اور اس کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں مگر افسوس کہ اب وہ وقت لوٹ کر نہیں آ سکتا۔

سفینہ کے شوہر کے مالی حالات قدرے خراب تھے۔ان کے درمیان اکثر چخ چخ ہوتی رہتی تھی۔آخر تنگ آ کر سفینہ نے طلاق لے لی۔اس کے والدین اور بھائیوں تک نے اسے دل سے

قبول نہ کیا، دوسری شادی بھی نہ ہوسکی۔اس بات کو بیس سال گزر گئے۔آج سفینہ تقریباً نیم پاگل ہو چکی ہے۔اسے پوری طرح احساس ہو چکا ہے کہ اس نے بہت غلط فیصلہ کیا تھا اور اپنی پوری زندگی تباہ کر لی ہے مگر اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔

ارسلان شادی کے چند ماہ بعد اکیلا کینیڈا چلا گیا۔سالوں بعد چند دن کے لیے چکر لگایا کرتا۔ ہر دفعہ اس کی بیوی اس سے فریاد کرتی اور روتی کہ وہ واپس نہ جائے۔ وہ اس کے بنا بہت تنگ ہوتی ہے اور کافی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔مگر پاکستان میں اس کا دل نہیں لگتا تھا جبکہ کینیڈا وہ اسے لے کر جانا نہیں چاہتا تھا۔اسی طرح پچیس سال گزر گئے۔اسے فالج ہوا اور اب وہ بیوی کے پاس ہوتا ہے۔مگر نہ چل سکتا ہے اور نہ بول سکتا ہے۔بس بیوی کی اپنے ساتھ محبت، توجہ اور اپنائیت دیکھ کر پچھتاوے کے آنسو بہاتا رہتا ہے کہ اس نے پچیس سال اپنا اور اپنی بیوی کا کتنا ناقابلِ تلافی نقصان کر دیا...... بقول غالب

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

یہ واقعات من گھڑت نہیں ہیں۔ایسے ہزاروں واقعات ہمارے معاشرے میں جا بجا بکھرے پڑے ہیں جو چیخ چیخ کر ہمیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ ہم خود سے جڑے رشتوں کا احساس کریں۔کل کے پچھتاوے سے آج کی احتیاط بہتر ہے۔ یہ رشتے اللہ کی خاص نعمت ہیں۔اگر ان کی قدر نہ کی جائے تو یہ چھن بھی سکتے ہیں۔توجہ، خلوص، محبت و احساس کا پانی نہ دیا جائے تو یہ مرجھا بھی سکتے ہیں۔کسی کی قبر پر بیٹھ کر پچھتاوے کے آنسو بہانے سے کہیں بہتر ہے کہ اس کی زندگی میں ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹیں بکھیرتے رہیں۔

ثمر عمیر

سانپ اور سیڑھی

سانپ سیڑھی کھیلنے کا عموماً سب کو اتفاق ہوا ہوگا۔ بعض لوگوں کے بچپن کا تو یہ مستقل مشغلہ ہوا کرتا تھا۔ بہت عرصے بعد کچھ دوستوں کے ساتھ یہ کھیلنے کی نوبت آئی تو سب لوگ اس پریشانی میں مبتلا تھے کہ کس طرح 98 نمبر والے بڑے سانپ سے بچیں جو کھلاڑی کو 18 نمبر پر گرا کر اس کی ساری محنت اور وقت پر پانی پھیر دیتا۔

اس کے علاوہ بھی اس کھیل میں چھوٹے سانپ 15 سے 20 نمبر تک ہاتھ دھونے کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن ایک حوصلہ افزا اور امید کی کرن اس کھیل میں وہ سیڑھیاں تھیں جو کئی نمبر آگے کامیابی سے پہنچا دیتیں، لیکن شرط یہ تھی کہ نمبر اس کے مطابق ہوں۔

یہ زندگی بھی سانپ اور سیڑھی کے کھیل کی طرح ہے۔ تقدیر میں اگر خوشی یا کامیابی کی سیڑھی والے نمبر آئیں یا نیکی اور تقوی کے مطالبے والے، ان پر چڑھنے سے مت ڈریں۔ کیونکہ ان پر چڑھنے سے انسان کئی نمبر آگے چلا جاتا ہے۔ کوئی بیوقوف ہی ہوگا جو سیڑھی چڑھنے کا موقع جانے دے گا۔ اسی طرح خوشی اور نعمت کی سیڑھی چڑھنے کے بعد بھی انسان کو فخر اور غرور میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے، نہ اسے اپنی قابلیت ہی کا حاصل سمجھے بلکہ اللہ کی رحمت اور اسی کا کرم جانے۔

زندگی کے اس کھیل میں دکھ کا سانپ کاٹنے میں دیر نہیں لگاتا۔ اس لیے خوشی اور غمی ہر بدلتے حالات کے لیے انسان کو تیار رہنا چاہیے۔ خوشحالی کا نشہ اکثر زندگی کی تلخ حقیقتوں کو بھلانے میں دیر نہیں لگاتا اور غم انسان کو اللہ سے دور کر کے مایوسی اور پستی کے اندھیروں میں دھکیلنے میں پورا زور صرف کر دیتا ہے کہ نکلنا ناممکن معلوم ہوتا ہے۔

زندگی میں قدم قدم پر ناجائز خواہشات کے مہلک سانپوں سے بچنے میں اکثر ناکامی ہوتی

ہے۔ اپنی عصمت، عزت، وقار، ایمان سب داو پر لگ جاتا ہے۔ زندگی میں ہر گناہ ایک سانپ ہے جو انسان کو جنت میں جانے کے بجائے جہنم میں گرانے کے درپے رہتا ہے۔ شرک، ریا، تکبر، تعصب پسندی، حرص و ہوس، غیر اللہ کی محبت، ظلم اور سرکشی، زندگی کے کھیل کے سانپ ہیں جو انسان کی تمام عبادات، جدوجہد، خرچ اور قربانیوں کو نگل جاتے ہیں۔

لیکن زندگی کا یہ کھیل جب تک ختم نہیں ہوتا، غفلت و عصیاں کے سانپوں کا شکار ہو کر گرنے والے مایوس نہ ہوں۔ جب تک کھیل جاری ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ لہٰذا مستقل مزاجی اور قوت ارادی سے چلتے رہیں۔ خدا کی رحمت کی سیڑھی آپ سے دور نہیں ہے۔ خدا کی عنایت اپنی چھاؤں میں آپ کو ضرور ڈھانپے گی۔ آپ ضرور سرخرو ہوں گے۔ بس منزل پر نظر ہو، قدم مضبوط ہوں اور خالق سے دعا و مناجات کا سلسلہ رہے تو کامیابی ضرور آپ کا مقدر ہوگی انشاء اللہ، بلکہ بہت ممکن ہے کہ آپ خود سے آگے نکلنے والوں کو بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔

نمرہ رفیق

صلاحیت

کچھ دن پہلے مجھ سے کسی نے سوال کیا کہ لوگ کہتے ہیں ہر شخص کے اندر کوئی نہ کوئی خاص صلاحیت ہوتی ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کر دیتی ہے تو میرے اندر ایسی کون سی صلاحیت ہے؟ جواب یہ تھا کہ جو کام آپ دوسروں کی نسبت زیادہ بہتر طور پر کر سکتے ہیں اور جسے کرنا آپ کے لیے باعث مسرت اور آسان ہو، وہی آپ کی اضافی صلاحیت، خوبی یا ٹیلنٹ ہے جس سے اللہ نے آپ کو نوازا ہے۔ خواہ وہ کام بظاہر بڑا ہو یا چھوٹا۔

اللہ تعالیٰ نے ہر فرد کو کچھ منفرد خوبیوں سے نوازا ہے۔ ہر شخص دوسرے افراد سے نمایاں نظر آ سکتا ہے اگر وہ اپنی اضافی صلاحیت کو پہچان کر اس کا بہتر استعمال کرنا جانتا ہو۔ مثال کے طور پر کسی شخص کا انداز گفتگو ایسا ہے کہ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ بہتر طریقے سے اپنی بات سمجھا سکتا ہے۔ کسی کے قلم میں اتنی طاقت عطا کی گئی ہے جس سے لکھنے والے کی بات لوگوں کے دل میں اتر جاتی ہے۔ کسی کی ذہنی صلاحیت و استعداد باقی لوگوں سے زیادہ رکھی گئی ہے۔ یہ اور دیگر ان گنت صفات ایسی ہیں جن میں سے ایک یا چند صفات تقریباً ہر شخص میں موجود ضرور ہوتی ہیں جو اسے باقی لوگوں سے ممتاز بناتی ہیں۔

لیکن انتہائی افسوس سے یہ بات کہنا پڑتی ہے کہ ہم میں سے اکثر اپنی ان صلاحیتوں کو ساری زندگی یا تو پہچان ہی نہیں پاتے یا پہچاننے کے باوجود اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اور اس طرح قدرت کی بخشی عظیم نعمت سے غفلت برتتے ہیں۔

اگر آپ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آپ کی کون سی صلاحیت ہے جو آپ کو خود میں ایک خاص انسان بناتی ہے تو آپ اپنے روزمرہ کاموں کا جائزہ لیں کہ کس کام کو آپ دیگر کاموں کی نسبت

زیادہ بہتر کرتے ہیں۔کون سا کام آپ کو اچھا لگتا ہے۔کس چیز کو کرنے میں آپ کو مزہ آتا ہے۔ آپ کے نزدیکی افراد بھی آپ کے کسی ایسے کام کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔اس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت نوجوانوں کو ہوتی ہے۔ان کے والدین، اساتذہ اور بڑوں کو اس حوالے سے ان کی مدد کرنی چاہیے۔جب اس خوبی یا صلاحیت کی نشاندہی ہو جائے تو اس کام سے متعلق باقاعدہ تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کریں۔پھر اسی کو اپنا پیشہ بنائیں۔اس سے فرق نہیں پڑتا کہ اس فن یا پیشے سے کتنا معاشی مفاد وابستہ ہے۔اگر اس کی معاشی اہمیت کم ہے تب بھی یہ کام آپ کو ہمیشہ خوشی دے گا اور آپ مطمئن زندگی گزاریں گے۔

ہمیں ایک اور پہلو سے اپنی صلاحیت کو دیکھنا چاہیے۔وہ یہ کہ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ہم اللہ کی رضا اور اس کے دین کی روشنی کو عام کرنے میں اپنی ان خوبیوں یا صلاحیتوں کا استعمال کریں۔کیونکہ یہ اللہ کی طرف سے ایک قیمتی انعام ہیں جس پہ ہمیں نہ صرف اپنے رب کا شکرادا کرنا چاہیے بلکہ اس کی رضا کے حصول کے لیے بھی انہیں استعمال کرنا چاہیے۔یہ چیز ہماری آخرت کو بہتر بنادے گی۔

ابو یحییٰ

مضامین قرآن (46)

دعوت کے رد و قبول کے نتائج: آخرت کی دنیا: جنت

جنت: خدا کے انعام کی جگہ

جنت قرآن مجید کی ایک اصطلاح ہے جس سے وہ مقام نعمت مراد ہے جس کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے بطور انعام کر رکھا ہے۔ قرآن مجید نے اس مقام نعمت کے لیے باغ کی تعبیر اختیار کی ہے جو قرآن میں بیان ہونے والے جنت کے بعض اسماء جیسے جنت، فردوس، روضۃ وغیرہ کا لغوی مفہوم ہے۔ یہ مفہوم جنت النعیم، جنات عدن، جنت الخلد، جنت الماویٰ وغیرہ کی ان تعبیرات سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو اسی مقصد کے لیے استعمال کی گئی ہیں۔ تاہم اس سے یہ تاثر لینا درست نہیں ہے کہ جنت صرف ایک باغ ہوگا اور کچھ نہیں۔ باغ کی تعبیر غالباً ایک تو عرب کے صحرائی پس منظر میں استعمال ہوئی ہے جہاں سب سے عمدہ رہائش وہی تصور کی جاسکتی تھی جو کسی باغ میں ہو اور جہاں پانی بہتا ہو۔ کیونکہ یہی وہ چیزیں تھیں جو قرآن کے ابتدائی مخاطبین عرب کے صحرانشینوں کے لیے نعمت و انعام کا سب سے بڑا استعارہ ہوسکتی تھیں۔ ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر دور اور ہر جگہ کے انسان کے لیے بہر حال باغ کسی بھی دوسری جگہ کے مقابلے میں بہر حال ایک خوشگوار مقام ہے اور پوری انسانیت کے لیے خدا کے مقام نعمت کے طور پر اگر کوئی جامع ترین تعبیر اختیار کی جائے تو شاید باغ سے زیادہ بہتر تعبیر ممکن نہیں۔ تاہم قرآن مجید نے اس مقام نعمت یعنی جنت کے لیے بعض دیگر تعبیرات بھی اختیار کی ہیں جیسے دارالسلام، دارالخلد، عیشۃ راضیۃ وغیرہ۔ ان تمام تعبیرات سے جنت کی دیگر خصوصیات یعنی امن و سلامتی،

ابدیت اور پسندیدہ نعمتوں والی زندگی کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

خدا کی یہ جنت ان بندوں کا انعام ہے جو پچھلی دنیا میں بن دیکھے خدا پر ایمان لائے اور عمل صالح کی زندگی اختیار کی۔ قرآن مجید یہ واضح کرتا ہے کہ ان اہل جنت کے دو واضح گروہ ہوں گے۔ ایک اصحاب الیمین یا وہ لوگ جن کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اور دوسرے نیکیوں میں سبقت لے جانے والے۔ پہلا گروہ عام نیکوکار لوگوں کا ہے اور دوسرا گروہ ان لوگوں کا جو اچھے برے ہر حال میں دوسروں سے نیکیوں میں سبقت لے جانے والے تھے۔ تاہم جنت کا اچھا وعدہ دونوں گروہوں ہی سے کیا گیا ہے۔

یہ جنت جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے بنائی ہے، پانچ پہلوؤں سے خدا کے انعام کی جگہ ہے۔ یہ وہ پانچ پہلو ہیں جن کا جمع ہونا انسان کی خوشی و مسرت کا ضامن ہے۔ یہ پہلو درج ذیل ہیں۔

عافیت و ابدیت

دنیا کے مصائب کی اگر فہرست بنائی جائے تو سب سے بڑی مصیبت موت ہے۔ شیطان نے جب حضرت آدم و حوا علیہما السلام کو وسوسہ انگیزی کر کے خدا کے حکم پر عمل سے روکا تھا تو اس نے ان کے سامنے ''شجرۃ الخلد'' یعنی ہمیشگی کے درخت ہی کو پیش کیا تھا۔ یہ ابدیت انسان کا ہمیشہ سے سب سے بڑا خواب رہی ہے اور آج کے دن تک ہے۔ ابدی زندگی کی اسی نعمت کے بعد ہی دوسری نعمتیں اپنی کوئی حیثیت رکھتی ہیں۔ اسی طرح آخرت کے مصائب موجودہ دنیا سے کہیں زیادہ اور کہیں شدید ہیں، مگر وہاں یہ تمام مصائب ایک ہی جگہ جمع کر دیے جائیں گے اور اس جگہ کا نام جہنم ہے۔

جنت میں داخلہ ہر دوسری چیز سے پہلے اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ انسان موت اور جہنم سے

نجات پا کر ابدیت اور عافیت کی دنیا میں داخل ہو چکا ہے۔قرآن نے جنت کو دارالسلام، المقام الامین اور دارالخلد، دارالحیوان (حقیقی اور ابدی زندگی) قرار دے کر جنت کے امن وسلامتی اور ہیشگی و دوام کی طرف ہی اشارہ کیا ہے کہ وہاں جہنم کے تمام مصائب سے عافیت بھی ملے گی اور موت کی مصیبت سے بھی نجات مل جائے گی۔اسی طرح خالدین فیھا (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) اور لاخوف علیھم ولاھم یحزنون (انہیں نہ کوئی خوف و اندیشہ ہوگا اور نہ کوئی حزن وملال ہوگا) کی تعبیرات بھی اسی حقیقت کا بیان ہے۔

تاہم اس حوالے سے قرآن مجید نے مجمل تعبیرات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ تفصیل سے بھی واضح کیا ہے کہ خدا کے نیک بندے اس روز ہر شر سے بچا لیے جائیں گے۔اس کے ساتھ یہ بھی واضح کیا ہے کہ جنت ایک قطعی اور حتمی وعدہ ہے جسے اللہ تعالیٰ ہر حال میں پورا کریں گے۔جو ایک دفعہ اس میں داخل ہو جائیں گے وہ اس سے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنت وجہنم دونوں کا وجود گرچہ خدا کی مشیت ہی پر منحصر ہے،لیکن اس حقیقت کے باوجود اہل ایمان کو یہ اطمینان بھی دلایا گیا ہے کہ جنت کا انعام وہ عطا ہے جو کبھی ختم نہیں کی جائے گی۔

قرآن مجید کے یہ وہ بیانات ہیں جو اس بات کو قطعی طور پر طے کر دیتے ہیں کہ جنت ہر ممکنہ اندیشے، خوف و پریشانی، غم والم، بے چینی واضطراب سے پاک وہ جگہ ہوگی جہاں اہل ایمان کامل اطمینان کے ساتھ ابدی زندگی گزاریں گے۔اس یقین کے ساتھ کہ جنت کبھی ختم کی جائے گی اور نہ ان کو کبھی اس سے نکلنا ہی پڑے گا۔یہ وہ پہلی اور سب سے بنیادی چیز ہے جو جنت کو مقام نعمت بنا دیتی ہے۔

تسکین وطمانیت

مصائب وآلام سے خلاصی کے بعد انسان کی پہلی اور فطری طلب اس کی بنیادی ضروریات

اور خواہشات کی تسکین ہے۔ ان ضروریات میں وہ سب چیزیں شامل ہیں جو انسان کی جسمانی، نفسیاتی اور ذوقی تسکین کرتی ہیں۔ قرآن مجید ہر پہلو سے یہ یقین دلاتا ہے کہ جنت میں انسان کی تمام ضروریات کی مکمل تسکین کا بندوبست ہوگا۔ مثال کے طور پر انسان کی خوشی کے لیے ضروری ہے کہ انسان میاں بیوی کے تعلق میں زندگی گزارے۔ چنانچہ قرآن مجید جگہ جگہ ازواج مطہرہ کی تعبیر سے یہ بات واضح کرتا ہے کہ جنت میں لوگ پاکیزہ جوڑوں کی شکل میں زندگی گزاریں گے۔ یہ پاکیزگی جسمانی پہلو سے بھی ہوگی کہ موجودہ دنیا کا مادی جسم طرح طرح کی جن آلائشوں کا منبع ہے، وہاں کا انسانی وجود ان آلائشوں سے بالکل پاک ہوگا۔ یہ پاکیزگی نفسیاتی پہلو سے بھی ہوگی کہ مزاج کی آلائشیں اس پسندیدہ تعلق میں کوفت پیدا کر دیتی ہیں۔ مگر جنت میں لوگوں کے جسم کی طرح ان کے مزاج بھی ایسے پاکیزہ ہوں گے کہ یہ جوڑے جسمانی ہی نہیں بلکہ نفسیاتی طور پر بھی ایک دوسرے کے لیے باعث راحت ہوں گے۔

اسی طرح انسان کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ اس کے قریبی رشتے اس کے پاس رہیں۔ جو کچھ اسے ملا ہے، وہ اس میں اپنے والدین، بیوی اور بچوں کو بھی شریک کرے۔ چنانچہ قرآن مجید میں کئی جگہ اس بات کی یقین دہانی بھی کرائی گئی ہے کہ جنت میں انسان کے ان قریبی رشتوں کو اُسی کے درجے تک پہنچا دیا جائے گا اور انسان کے اپنے عمل کی جزا میں کمی نہیں کی جائے گی۔ پھر زندگی کی ہر ضرورت مثلاً کھانا، پینا، رہائش وغیرہ اس طرح دی جائیں گے کہ نہ ان کا سلسلہ کبھی ختم ہوگا اور نہ کبھی کسی چیز پر کسی قسم کی روک ٹوک ہوگی۔ پھر جو کچھ ملے گا وہ انتہائی آسانی، سہولت، نفاست، خوبصورتی اور کثرت کے ساتھ دیا جائے گا۔ یہ سب چیزیں مل کر انسان کے جسمانی، نفسیاتی اور جمالیاتی احساس کی بھرپور اور مکمل تسکین کا سبب بن جائیں گی۔

لامحدود عیش ولذت

انسان ہر مصیبت سے بچ جائے اور ہر نعمت اسے مل جائے، یہ گرچہ اپنی ذات میں بہت بڑی چیز ہے مگر انسان اسی پر بس کر دینے والی مخلوق نہیں ہے۔ اس کے اندر خواہشات کا ایک لامحدود سمندر ہے۔ اس دنیا میں انسان لاکھ وسائل رکھتا ہو، مگر قدم قدم پر انسانی محدودیت اس کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ جنت خدا کے انعام کی وہ جگہ ہے جہاں انسانی خواہشات کے راستے میں حائل ہونے والی ہر رکاوٹ کو دور کر دیا جائے گا۔

قرآن نے مثال کے طور پر چند چیزوں کو لے لیا ہے جو ہر دور میں اس دنیا میں عیش ولذت کی سب بڑی علامت سمجھی گئی ہیں۔ مثلاً عورت اور شراب۔ قرآن نے ان کو بطور مثال پیش کر کے بتا دیا ہے کہ جو تمھارا معیار عیش ولذت ہے، جنت میں تم کو اعلیٰ ترین سطح پر دیا جائے گا اور اس میں سے ہر وہ چیز ہٹا دی جائے گی جو دنیا میں تمھارے مزے کو کرکرہ کر دیتی ہے۔ مثلاً شراب جو اس دنیا کا سب سے مقبول نشہ ہے، جنت میں لذتِ کامل کے ساتھ ملے گی، مگر دنیا کی طرح وہ عقل میں فتور پیدا کرے گی اور نہ جسمانی آزار ہی کا باعث بنے گی۔ اسی طرح عورتوں کے متعلق یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ ہمیشہ کنواری ہی رہیں گی۔

اسی طرح دنیا میں عیش کو غارت کر دینے والی چیز یکسانیت ہوتی ہے جو تھوڑے ہی عرصے میں بوریت کو جنم دیتی ہے۔ جس کے بعد اچھی سے اچھی چیز بھی اپنا مزہ کھو دیتی ہے۔ قرآن نے پھلوں کی مثال دے کر یہ بات واضح کر دی ہے کہ جنت کی ہر نعمت انسان کو جب ملے گی تو بظاہر وہ پرانی والی نعمت نظر آئے گی، مگر دراصل وہ ہر دفعہ تنوع اور لذت کے ایک نئے معیار سے روشناس ہوں گے جس سے وہ پہلے واقف نہ تھے۔ یہ چیز جنت اور اس کی کسی نعمت کو ان کے لیے پرانا نہیں ہونے دے گی۔ یوں ان کی پر عیش اور ابدی زندگی ہمیشہ ان کے لیے باعث سرور رہے گی۔

اقتدار اور بادشاہت

اوپر حضرت آدم علیہ السلام کے حوالے سے یہ بیان ہوا ہے کہ شیطان نے انھیں ابدیت کا لالچ دیا تھا۔ جو دوسری چیز اس نے ان کے سامنے رکھی تھی وہ ختم نہ ہونے والی بادشاہی تھی۔ یہ انسان کی نفسیات کا بڑا دلچسپ بیان ہے۔ انسان کی مادی ضروریات زندگی کی بقا سے شروع ہوتی ہیں اور ختم نہ ہونے والی بادشاہت پر جا کر ختم ہوتی ہیں۔ جنت انسان کی اس آخری ضرورت کے پورے کیے جانے کی بھی جگہ ہے۔ قدیم صحائف میں جنت کے لیے آسمانی بادشاہی کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں اور قرآن نے ''ملک کبیر'' کہہ کر اس کی تصدیق کر دی ہے کہ جنت انسان کے اسی جذبہ حکمرانی کی تسکین کی جگہ ہوگی۔

قرآن مجید نے جنت کی نعمتوں کو جب بیان کیا ہے تو اس وقت رائج شاہی معیارات کو سامنے رکھ کر ہی ان نعمتوں کی تفصیل کی ہے۔ زمانہ قدیم کے بادشاہوں کی زندگی سونے چاندی کے برتن اور زیورات، ریشمی ملبوسات، عالیشان محلات، حسین لونڈیوں پر مشتمل حرم، مستعد غلاموں کی فوج، تخت و تاج کے جلال، درباریوں کے سلام، عزت و وقار، شان و شوکت اور منہ مانگی خواہشات کی تکمیل میں گزرتی تھی۔ قرآن نے اُس دور میں رائج انھی معیارات کو سامنے رکھ کر اہل جنت کی نعمتوں کو بیان کر کے یہ بتا دیا ہے کہ انھیں بادشاہی کے یہ سب لوازم دیے جائے گے۔ یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ بادشاہی اپنی وسعت میں آسمانوں سے زمین تک پھیلی ہوگی۔ اس بادشاہی میں جو ان کا دل چاہے گا انھیں ملے گا اور جو وہ طلب کریں گے ان کے حضور پیش کیا جائے گا۔

پھر اس بادشاہی میں انسانوں کے خارج ہی میں نعمتوں کے انبار جمع نہیں ہوں گے بلکہ انسان کا ذاتی وجود اور ذاتی طاقت و صلاحیت بھی انتہائی غیر معمولی ہو چکی ہوگی۔ قرآن مجید نے

بطورِ مثال یہ بات بیان کی ہے کہ ایک جنتی اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے کسی اور شخص کو جب چاہے گا دیکھ لے گا، چاہے وہ کتنا ہی دور کیوں نہ ہو۔ اسی طرح قرآن میں بیان ہوا ہے کہ درختوں کے خوشے اہل ایمان کی دسترس میں ہوں گے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب بلند درخت اہل ایمان کی خواہش پر اپنی شاخیں ان کے لیے جھکا دیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جنت میں اہل ایمان کا اقتدار اشیا پر بھی قائم ہو چکا ہوگا۔

عبدیت و روحانیت

ان ساری مادی نعمتوں کے ساتھ انسان بہرحال ایک روحانی وجود ہے۔ اس کی روحانیت کے تقاضے اس کے مادی تقاضوں سے بالکل جدا ہیں۔ مگر قرآن مجید نے اس بات کو بھی مختلف پہلوؤں سے واضح کیا ہے کہ اہل جنت کی روحانی تسکین کا اصل مقام بھی جنت ہی ہے۔ انسان کی روحانیت کا تقاضہ ہے کہ وہ انسان رہے، نعمتوں میں رہے، مگر دوسروں کے لیے دل میں کوئی بغض کوئی کینہ نہ ہو، کوئی حسد کوئی کبر نہ ہو۔ اہل جنت کے دل ایسے ہی بنا دیے جائیں گے۔ انسان کی روحانیت کا تقاضہ ہے کہ اس کا ماحول لغویات اور گناہوں کی ہر آلائش سے پاک ہو۔ قرآن جنت میں ایسے ہی ماحول کی یقین دہانی کراتا ہے۔ انسانی کی روحانیت چاہتی ہے کہ اس کے صبح و شام فرشتوں کی صحبت میں گزریں۔ جنت کی دنیا میں یہ ضرورت بھی پوری ہوگی اور خدا کے فرشتے ہر سمت سے سلام لے کر ان کے پاس آ رہے ہوں گے۔

ان سب سے بڑھ کر انسان کی روحانیت کا تقاضہ ہے کہ ان کا خالق، ان کا مالک اور ان کا محبوب رب جس نے ان کو سب کچھ دیا، وہ ان سے راضی ہو جائے۔ چنانچہ قرآن مجید واضح کرتا ہے کہ مجرموں کے برعکس جو آنے والی دنیا میں اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے انوار و تجلیات سے اوٹ میں رکھے جائیں گے (المطففین 15:83)، اہل ایمان کے لیے سب سے بڑی نعمت خدا

کی رضا کا وہ پروانہ ہوگا جو ہر حجاب اٹھا کران کو عطا کیا جائے گا۔ چنانچہ جنت کی زندگی صرف مادی نعمتوں ہی کا نام نہیں بلکہ یہ وہ جگہ ہے جہاں انسان کی روحانیت بھی اپنی کامل تسکین پالے گی اور جہاں اہل ایمان کی زندگی ہمہ وقت خدا کی تسبیح، تعریف اوراس کی تمجید میں گزرے گی۔

جنت کے حوالے سے ایک اصولی بات

تاہم جنت کے حوالے سے اصولی بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ اس کی نعمتوں کی جو تفصیل کی گئی ہے وہ ایک دوسرے عالم کی روداد ہے جس کی اصل حقیقت اپنے وقت ہی پر سامنے آئے گی۔ اس دنیا میں اور خاص کر نزول قرآن کے وقت لوگوں کے ذہن میں نعمت و بھلائی کا جو ممکنہ تصور تھا، قرآن مجید نے اسی کو سامنے رکھ کر جنت کا نقشہ بیان کیا ہے۔ ایسا نہیں ہوگا کہ جنت بس انھی نعمتوں کا نام ہے جن کا ذکر قرآن میں آ گیا ہے۔ خود قرآن مجید نے اس حقیقت کو واضح کر دیا ہے کہ کوئی شخص نہیں جانتا کہ اہل جنت کے اعمال کے صلے میں ان کے رب نے آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا سامان ان کے لیے چھپا کر رکھا ہے، (السجدہ 32:17)۔ اس آیت سے واضح ہے کہ اس دنیا میں رہ کر اُس دنیا کی نعمتوں کا اندازہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ جو خوش نصیب اِس دنیا میں رہ کر قرآن مجید کے مطالبات کو پورا کریں گے، کل قیامت کے دن وہی جان سکیں گے کہ جنت کی حقیقت کیا ہے۔

الحمدللہ یہاں قرآن مجید کی دعوت اور دلائل کا سلسلہ پایہ تکمیل کو پہنچ گیا، انشاءاللہ العزیز اب ہم قرآن مجید کے مطالبات کی تفصیل کرنا شروع کریں گے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

قرآنی بیانات

''رہے سابقون، تو وہ تو سبقت کرنے والے ہی ہیں! وہی لوگ مقرب ہوں گے۔ نعمت کے باغوں

میں ۔ان میں بڑی تعداد اگلوں کی ہوگی اور تھوڑے پچھلوں میں سے ہوں گے۔ جڑاؤ تختوں پر، ٹیک لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ ان کی خدمت میں غلمان، جو ہمیشہ غلمان ہی رہیں گے، پیالے جگ اور شرابِ خالص کے جام لیے ہوئے گردش کر رہے ہوں گے جس سے نہ تو ان کو دردِ سر لاحق ہوگا اور نہ وہ فتورِ عقل میں مبتلا ہوں گے اور میوے ان کی پسند کے اور پرندوں کے گوشت ان کی رغبت کے۔ اور ان کے لیے غزال چشم حوریں ہوں گی، محفوظ کیے ہوئے موتیوں کے مانند۔ صلہ ان کے اعمال کا جو وہ کرتے رہے۔ اس میں وہ کوئی لغو اور گناہ کی بات نہیں سنیں گے۔ صرف مبارک سلامت کے چرچے ہوں گے۔

اور رہے داہنے والے تو کیا کہنے ہیں داہنے والوں کے! بے خار بیریوں، تہ بہ تہ کیلوں اور پھیلے ہوئے سایوں میں ۔ اور پانی بہایا ہوا۔ میوے فراواں، نہ کبھی منقطع ہونے والے نہ کبھی ممنوع۔ اور اونچے بستر ہوں گے اور ان کی بیویاں ہوں گی جن کو ہم نے ایک خاص اٹھان پر اٹھایا ہوگا، پس ہم ان کو رکھیں گے کنواریاں، دلربا اور ہم سنیں ۔ یہ نعمتیں داہنے والوں کے لیے ہوں گی۔ ان میں اگلوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ ہوگا اور پچھلوں میں سے بھی ایک بڑا گروہ۔''

(الواقعہ 56:40-10)

''بے شک متقی بندے باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ وہ محظوظ ہو رہے ہوں گے ان نعمتوں سے جو ان کے رب نے ان کو دے رکھی ہوں گی اور اس بات سے کہ ان کے رب نے ان کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھا۔ کھاؤ اور پیو بے غلّ و غش اپنے ان اعمال کے صلے میں جو تم کرتے رہے تھے۔ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے صف بہ صف، تختوں کے اوپر اور ہم ان کو بیاہ دیں گے غزال چشم حوریں۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ان کے ساتھ ہم ان کی اولاد کو بھی جمع کر دیں گے اور ان کے عمل میں سے ذرا بھی کمی نہیں کریں گے۔ ہر ایک اس کمائی کے بدلے میں رہن ہوگا جو اس نے کی ہوگی۔ اور ہم ان کی پسند کے میوے اور گوشت ان کو برابر دیتے رہیں گے۔ ان کے درمیان ایسی شراب کے پیالوں کے تبادلے ہو رہے ہوں گے جو لغویت اور گناہ سے پاک ہوگی اور محفوظ موتیوں کے مانند خدام ان کی خدمت میں سرگرم ہوں گے۔''

(طور 52: 24-17)

''اور تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو حالانکہ آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کو لوٹنے والی ہے! تم میں سے جو لوگ فتح مکہ سے پہلے انفاق و جہاد کریں گے اور جو بعد میں انفاق و جہاد کریں گے یکساں نہیں ہوں گے۔ ان لوگوں کا درجہ ان سے بڑا ہوگا جو بعد میں انفاق و جہاد کریں گے۔

اگر چہ اللہ کا وعدہ ان میں سے ہر ایک سے اچھا ہی ہے۔ اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے اچھی طرح باخبر ہے۔'' (الحدید 57: 10)

''تو اللہ نے ان کو اس دن کی آفت سے بچایا اور ان کو تازگی اور سرور سے نوازا۔ اور انھوں نے جو صبر کیا اس کے صلہ میں ان کو جنت اور ریشمیں لباس عطا فرمایا۔ ٹیک لگائے ہوئے ہوں گے اس میں تختوں پر۔ نہ اس میں گرمی کے آزار سے دوچار ہوں گے نہ سردی کے۔ باغِ جنت کے سائے ان پر جھکے ہوئے اور اس کے خوشے بالکل ان کی دست رس میں ہوں گے۔ اور ان کے سامنے چاندی کے برتن اور شیشے کے پیالے گردش میں ہوں گے شیشے چاندی کے ہوں گے۔ ان کو انھوں نے نہایت موزوں اندازوں کے ساتھ سجایا ہوگا۔

اور وہ اس میں ایک اور شراب بھی پلائے جائیں گے جس میں ملونی چشمہ زنجبیل کی ہوگی۔ یہ اس میں ایک چشمہ ہے جو سلسبیل سے موسوم ہے اور ان کی خدمت میں غِلمان گردش میں ہوں گے جو ہمیشہ ایک ہی سِن پر رہیں گے۔ جب تم ان کو دیکھے گے تو ان کو بکھرے ہوئے موتی گمان کرو گے۔ جہاں دیکھو گے وہیں عظیم نعمت اور عظیم بادشاہی دیکھو گے۔ ان کے اوپر سندس کا سبز اور استبرق کا لباس ہوگا اور وہ چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا رب ان کو پاکیزہ مشروب پلائے گا۔ بے شک یہ تمھارے عمل کا صلہ ہے اور تمھاری سعی مقبول ہوئی!'' (الدھر 76: 22-11)

''اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کے لیے مسابقت کرو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے عرض کی طرح ہے، یہ پرہیزگاروں کے لیے تیار ہے۔'' (آل عمران 3:133)

''مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ایسے باغوں کے لیے ہے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور پاکیزہ مکانوں کے لیے ابد کے باغوں میں اور اللہ کی خوشنودی بھی جو سب سے بڑھ کر ہے۔ بڑی کامیابی یہ ہے۔'' (التوبہ 9: 72)

''ان (نعمت کے باغوں) میں ان کا ترانہ ہوگا اے اللہ تو پاک ہے۔ اور اس میں ان کی آپس کی تحیت سلام ہوگی اور ان کا آخری کلمہ الحمدللہ رب العالمین (شکر ہے اللہ رب العالمین کے لیے) ہوگا''
(یونس 10: 10)

''یہ اس میں کوئی لغویات نہیں سنیں گے، بس تحیت ہی تحیت ہوگی۔ اس میں صبح و شام ان کا رزق مہیا ہوگا۔'' (مریم 19:62)

''ہاں، اللہ ان لوگوں کو، جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک اعمال کیے، ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ ان کو وہاں سونے کے کنگن اور موتیوں کے ہار

پہنائے جائیں گے اور اس میں ان کا پہناوا یکسر ریشم ہوگا اور ان کی رہنمائی پاکیزہ کلمۂ حمد کی طرف اور ان کی رہنمائی خدائے حمید کی راہ کی طرف ہوگی!!''، (الحج22: 24-23)

''اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے وہ گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئیں گے اور اس کے دروازے کھول دیے جائیں گے اور اس کے پاسبان ان سے کہیں گے، السلام علیکم، شاد رہو! پس اس میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ کے لیے۔'' (الزمر 73:39)

''تو شیطان نے اس کو ورغلایا، کہا کہ اے آدم، کیا میں تمھیں زندگیٔ دوام کے درخت اور ایسی بادشاہی کا سراغ دوں جس پر کبھی کہنگی نہ آئے!'' (طہ 20: 120)

''اس جنت کی مثال جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس میں نہریں ہوں گی پانی کی جس میں ذرا بھی تغیر نہ ہوا ہوگا، اور نہریں ہوں گی دودھ کی جس کا ذائقہ تبدیل نہ ہوا ہوگا اور نہریں ہوں گی شراب کی جو پینے والوں کے لیے یکسر لذت ہوں گی اور نہریں ہوں گی صاف شفاف شہد کی اور اس میں ان کے لیے ہر قسم کے پھل بھی ہوں گے اور ان کے رب کی طرف سے مغفرت بھی! کیا یہ لوگ جن کو یہ نعمتیں حاصل ہوں ان لوگوں کے مانند ہوں گے جو ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں اور جن کو اس میں گرم پانی پلایا جائے گا پس وہ ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دے گا۔'' (محمد 47: 15)

''اس میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ تیرے رب کا وعدہ ہے جس کے ایفا کی اس پر حتمی ذمہ داری ہے۔'' (الفرقان 16:25)

''اور بشارت دو ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کیے اس بات کی کہ ان کے لیے ایسے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ جب جب اس کے پھل ان کو کھانے کو ملیں گے تو کہیں گے، یہ وہی ہے جو اس سے پہلے ہمیں عطا ہوا تھا۔ اور ملے گا اس سے ملتا جلتا اور ان کے لیے اس میں پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔''۔ (البقرہ 2: 25)

''کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جائیں گے تو ہم بدلہ پانے والے بنیں گے! کہے گا ذرا جھانک کے دیکھو تو سہی! تو وہ جھانکے گا اور اس کو جہنم کے بالکل بیچ میں دیکھے گا۔ کہے گا، خدا کی قسم! تم تو مجھے تباہ ہی کر دینے والے تھے! اگر میرے رب کا فضل نہ ہوتا تو میں بھی آج پکڑا ہوا ہوتا۔'' (الصافات 37: 57-53)

''خدا ترس بندے باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ رہو ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف ہو کر۔

ان کے سینوں کی کدورتیں ہم نکال دیں گے۔ وہ آمنے سامنے بھائی بھائی کی طرح تختوں پر براجمان ہوں گے۔ اس میں نہ تو ان کو کوئی تکان لاحق ہوگی اور نہ وہ اس سے نکالے ہی جائیں گے۔''
(الحجر14:48-45)

''اور تم کو اس جنت میں ہر وہ چیز ملے گی جس کو تمھارا دل چاہے گا اور تمھارے لیے اس میں ہر وہ چیز ہے جو تم طلب کرو گے۔'' (حم السجدہ41: 31)

''ان کے سامنے سونے کی طشتریاں اور سونے کے پیالے پیش کیے جائیں گے اور ان میں وہ چیزیں ہوں گی جو دل کو پسند اور آنکھوں کے لیے لذت بخش ہوں گی۔ اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔''
(زخرف43: 71)

''اور ان کے سینے کی ہر خلش ہم کھینچ لیں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ اور وہ کہیں گے شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس نے اس چیز کی ہم کو ہدایت بخشی، اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ بخشی ہوتی تو ہم تو ہدایت پانے والے نہ بنتے۔ ہمارے رب کے رسول بالکل سچی بات لے کر آئے۔ اور ان کو پیغام دیا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کے صلے میں وارث ٹھہرائے گئے ہو۔''
(اعراف7: 43)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کیے ان کے لیے فردوس کے باغوں کی ضیافت ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ وہاں سے ہٹنا نہیں چاہیں گے۔''
(الکہف18 :108-107)

''اور وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا جس نے ہم سے غم دور کیا۔ بے شک ہمارا رب بخشنے والا، قبول فرمانے والا ہے۔ جس نے ہمیں اپنے فضل سے اس اقامت کے گھر میں اتارا، اس میں نہ ہمیں کوئی کلفت پہنچے گی اور نہ کبھی تکان لاحق ہوگی۔'' (فاطر35: 35-34)

''ہاں بلاشبہ جس نے اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دیا اور وہ ٹھیک طرح سے عمل کرنے والا ہے تو اس کے لیے اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ نہ ان کو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔''
(البقرہ2: 112)

''بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے بھلے کام کیے، نماز کا اہتمام کیا، زکوٰۃ ادا کی، ان کے لیے ان کے رب کے پاس ان کا اجر ہے۔ نہ ان کے لیے کوئی اندیشہ ہوگا نہ ان کو کوئی غم لاحق ہوگا۔''
(البقرہ2: 277)

مبشر نذیر

ترکی کا سفرنامہ (50)

انقرہ یونیورسٹی

صبح اٹھ کر ہم ناشتے کے لئے نیچے ہال میں آ گئے۔ ناشتہ کمرے کے کرائے میں شامل تھا اور کافی اچھا تھا۔ ہمارا پروگرام یہ تھا کہ سب سے پہلے انقرہ یونیورسٹی کا دورہ کیا جائے تا کہ یہاں کے کچھ اہل علم سے ملاقات ہو سکے۔ اس کے بعد انقرہ کے میوزیم دیکھے جائیں۔ میں نے ہوٹل کے ملازمین سے انقرہ یونیورسٹی کے بارے میں پوچھا تو یہ لوگ سوچ میں پڑ گئے۔ کافی دیر ایک دوسرے سے مشورہ کرنے کے بعد انہوں نے اشاروں کے ذریعے مجھے راستہ سمجھانے کی کوشش کی۔ ان کی کوششوں کا فائدہ بس یہ ہوا کہ ہمیں یونیورسٹی کی سمت کا اندازہ ہو گیا۔

ہوٹل سے باہر نکل کر ہم نے یونیورسٹی کی تلاش شروع کی۔ شروع شروع اس میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میں نے گاڑی روک کر ایک پولیس والے سے یونیورسٹی کا راستہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ یہ صاحب نجانے کیا سمجھے کہ نہایت ہی ترحم آمیز انداز میں باقاعدہ ہاتھ اٹھا کر ہمیں دعائیں دینے لگے۔ ہم مختلف سڑکوں پر گردش کرنے لگے۔ ہر سڑک پر ایک ہی بورڈ ہمارا منہ چڑا رہا تھا جس پر "انیت کبیر" لکھا ہوا تھا۔ ہم جس طرف بھی رخ کرتے، یہی بورڈ ہمارے سامنے آ جاتا، بس تیر کا رخ مختلف ہوتا۔ یہ دراصل مصطفیٰ کمال کے مقبرے کا بورڈ تھا جس میں ہمیں کوئی دلچسپی نہ تھی۔

ایک جگہ ہمیں ایک بڑی سی عمارت نظر آئی جو دیکھنے میں اسٹیٹ بنک یا پارلیمنٹ ہاؤس سے مشابہ تھی۔ یہاں دھڑا دھڑ لوگ آ جا رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ شاید یہاں کوئی انگریزی بولنے

والا مل جائے جس سے یونیورسٹی کا پوچھا جا سکے۔ میں جب اس عمارت میں داخل ہوا تو یہ پارلیمنٹ ہاؤس کے بجائے ریلوے اسٹیشن نکلا۔ یہاں بھی کوئی انگریزی بولنے والا نہ مل سکا۔

اچانک مجھے ایسا چوک نظر آیا جو کہ ہمارے لاہور کے جی پی او چوک سے مشابہ تھا۔ جی پی او چوک کے پاس ہی پنجاب یونیورسٹی کا اولڈ کیمپس ہے۔ میں نے سوچا کہ ہوسکتا ہے کہ انقرہ یونیورسٹی کا کیمپس بھی پاس ہی ہو۔ میرا خیال سچ مچ درست ثابت ہوا۔ یہاں ایک صاحب پیدل چلے جا رہے تھے۔ میں نے ان سے پوچھا تو کہنے لگے، ''یونیورسی ٹیسی ؟'' میں شش و پنج میں پڑ گیا۔ یونیورسٹی کی حد تک تو معاملہ ٹھیک تھا مگر یہ ''ٹیسی'' کیا بلا ہے؟ انہوں نے اپنا کارڈ نکالا اور مجھے دکھایا جس پر ترکی زبان میں Univertisitesi لکھا ہوا تھا۔ ارے، یہ صاحب تو یونیورسٹی کے ایڈمن اسٹاف میں شامل تھے۔ میرے لئے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ میرا دل چاہا کہ ان صاحب کو کسی طرح قابو کر کے ساتھ بٹھا لوں اور اس وقت تک ان کی جان نہ چھوڑوں جب تک یہ ہمیں منزل مقصود تک نہ پہنچا دیں۔

ان صاحب سے مدد حاصل کرنے سے متعلق میرا تمام تر جوش ان کے مقابلے میں کچھ نہ تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہماری مدد کرنے کے لئے اتنے بے قرار ہیں جتنے ہم نہیں ہیں۔ یہ ترکوں کی مخصوص مہمان نوازی تھی۔ ماریہ کی سرگرمیوں کی بدولت کار کا پچھلا حصہ کسی کباڑ خانے کا منظر پیش کر رہا تھا۔ سامان کو ادھر ادھر کر کے میں نے جگہ بنائی اور ان سے درخواست کی کہ ہمارے ساتھ کار میں بیٹھ جائیں۔ انہیں ساتھ بٹھانے کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوا کیونکہ چند ہی قدم کے فاصلے پر یونیورسٹی کا اولڈ کیمپس تھا جو اسی زمانے کا بنا ہوا نظر آ رہا تھا جب لاہور میں پنجاب یونیورسٹی کا نیو کیمپس بنا ہو گا۔ وہ ہمیں اندر لے گئے اور ایک جگہ رکوا کر اندر سے ایک

نہایت ہی مہذب اور نستعلیق قسم کے صاحب کو بلا لائے۔ یہ صاحب شکل سے ہی پروفیسر نظر آ رہے تھے اور بڑی شستہ انگریزی میں گفتگو فرما رہے تھے۔ تعارف ہونے پر معلوم ہوا کہ یہ فزکس ڈیپارٹمنٹ ہے۔ میں نے ان سے ''تھیالوجی ڈیپارٹمنٹ'' کے بارے میں پوچھا۔

پروفیسر صاحب کہنے لگے: ''وہ الٰہیات ڈیپارٹمنٹ کہلاتا ہے۔'' میں خوش ہوگیا کیونکہ اردو میں بھی تھیالوجی کو الٰہیات ہی کہا جاتا ہے۔ کہنے لگے، ''یہ اصل میں فیکلٹی آف سائنس ہے۔ یہاں ارد گرد کیمسٹری، فزکس اور فارمیسی ڈیپارٹمنٹس ہیں۔ الٰہیات کا شعبہ آرٹس کیمپس میں ہے جو یہاں سے قریب ہی ہے۔ انہوں نے مجھے راستہ سمجھا دیا اور بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ الوداع کہا۔ جو صاحب ہمیں لے کر آئے تھے، وہ پروفیسر صاحب کو کچھ کہہ کر دوبارہ ہمارے ساتھ آ بیٹھے اور کہنے لگے، ''میں آپ کو وہاں پہنچا کر آؤں گا۔'' چند منٹ میں ہم آرٹس کیمپس پہنچ گئے۔ الٰہیات کے شعبے میں پہنچ کر وہ اتر گئے۔ میں نے ان سے بہت کہا کہ میں آپ کو واپس چھوڑ آتا ہوں مگر پرزور طریقے سے انکار کرتے ہوئے سلام کر کے وہ واپس چلے گئے۔

الٰہیات ڈیپارٹمنٹ کی بلڈنگ بھی کافی پرانی تھی اور ماحول کے اعتبار سے یہ واقعی مذہبی تعلیم کا ادارہ نظر آ رہا تھا۔ ریسپشن پر ایک خاتون تشریف فرما تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا: ''کیا کسی انگریزی بولنے والے اسکالر سے ملاقات ہوسکتی ہے؟'' وہ کچھ دیر حیرت سے ہمیں دیکھتی رہیں۔ سوچ رہی ہوں گی کہ یہ کون عجیب آدمی ہے جو بیوی بچوں کے ساتھ یہاں آ کر اسکالر کا پوچھ رہا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک نمبر ملایا اور کچھ گفتگو کرنے کے بعد ہمیں فرسٹ فلور پر جانے کا کہہ دیا۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حنا

شہرِ جاں کے موسم

یہ جو اندر کے موسم ہیں

بڑے بے درد ہوتے ہیں

کہ شہرِ جاں کا منظر ایک سا رہنے نہیں دیتے

کبھی شدّت کی بارش

اور کبھی صحرا کا سنّاٹا

کبھی ہے حبس کا موسم

کبھی جنگل میں پھرتی ہرنیوں کے خوف کا عالم

کبھی جھونکے بہاروں کے

مجھے بے چین کرتے ہیں

کبھی منظر ستاروں کے

مجھے سونے نہیں دیتے

کہ شہرِ جاں کا منظر ایک سا رہنے نہیں دیتے

یہ جو اندر کے موسم ہیں بڑے بے درد ہوتے ہیں

مگر اِک ایسی ہستی ہے

جسے میں جانتی بھی ہوں

جسے پہچانتی بھی ہوں

میں جب گھبرانے لگتی ہوں

تو رُخ کو موڑ دیتی ہوں

اسی کی سمت چلتی ہوں

میں ضد کو چھوڑ دیتی ہوں

اور اپنی خواہشوں کے رنگ

اُسی سے جوڑ دیتی ہوں

میں اپنا غم، خوشی اپنی

اُسی پہ چھوڑ دیتی ہوں

تو پھر جو اس کی مرضی ہے

وہی میری بھی مرضی ہے

وہی تو ایسی ہستی ہے

کہ شہرِ جاں کے سب موسم

اُسی کے زیرِ فرماں ہیں

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

Monthly
INZAAR

JAN 2018
Vol. 06, No. 01
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi